

UNIVERSAL
LIBRARY

OU-234402

UNIVERSAL
LIBRARY

بزم خیال

حصہ اول

مصنفہ

عالیجناب محلہ القاب خدیوہ اربابان مہاراجہ
سرکشن پشاور بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای
یمن سلطنتہ بینکار و وزیر اعظم دولت آمفیہ
المختلصن شہاؤ الدین خضر

آصف خلد اندک

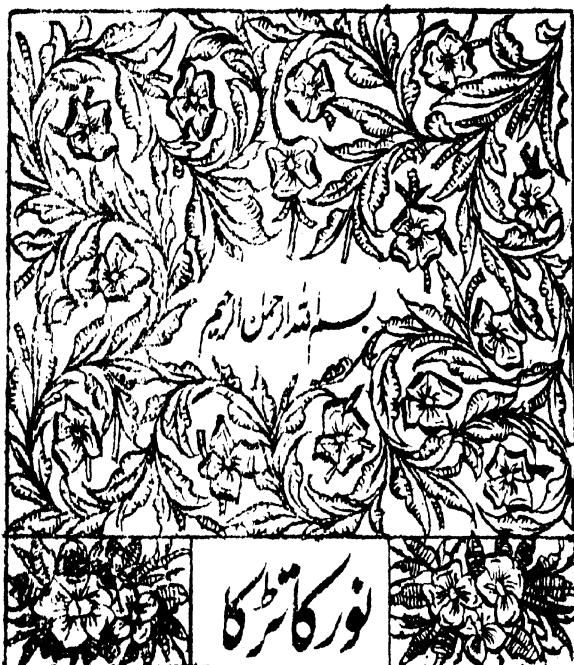
در محبوب لیس و پیشکاری طبع

۱۳۲۴ھ

فہرست مضامین حصہ اول

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱	نور کا تڑکا	۱
۳۱	رات ہو گئی	۲
۶۰	رات کے دو بچے ہیں	۳
۶۲	شادی نے بچ ہے ہیں	۴
۶۶	خوب گزر گئی جوں بیٹھین گے دیوانے دو	۵
۷۱	جگت نانا اور اُن کی بڑھیا کی چہ میگوئی	۶
۷۹	نواب کے گھر خوشی کا جلسہ	۷
۸۵	شاہراہ پر ایک فلک کے ستارے کی زبانی کہانی	۸
۹۲	نواب کے گھر قلندر اور اُن کے شاگرد کی گفتگو	۹
۱۰۰	من مرادِ خویش اندر نامرادی یافتہ	۱۰
۱۱۳	خیال کا دربار	۱۱
۱۲۲	نامہ پورے نصیر کی ملاقات	۱۲

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۲۹	چہ میگوئیں	۱۳
۱۵۴	الْعَالَمُ مُتَغَيِّرٌ	۱۴
۱۶۲	نواب کیا کر رہے ہیں	۱۵
۱۶۴	نواب کے گھر لکچر	۱۶
۱۸۲	صبح بہار	۱۷
۱۹۴	امید کی بہار	۱۸
۲۰۱	مشاعرہ	۱۹
۲۱۶	عالم تصور	۲۰
۲۳۰	بولنا مت کہ بھرے بیٹھے ہیں	۲۱
۲۴۷	شطرنج	۲۲
۲۵۴	تار بن بکا میلہ	۲۳
۲۶۳	رسیدہ بود بلائے ولے بنجر گزشت	۲۴
۲۷۲	ایک میاح سے ملاقات	۲۵
۲۹۴	ظریف الدولہ کی مسرگشت	۲۶



صبح نور ظہور اپنے حسن و لہریں سے تمام عالم کو اللہ نور اسماءات
والا لافض کی جھلک سے سنور کرنا چاہتی ہے۔ تارے آسمان پر
جھللا کر لب بوسیدہ جانان کی طرح سفید پڑتے جاتے ہیں اور
شب کی تیرگی و الشمس و ضحکہا کے دامن میں سمٹ کر چھپنے
لگی ہے۔ آفتاب کی شعاعیں دھیمی دھیمی نمایاں ہونی جاتی ہیں
قرص خورشید اپنے چہرہ پر نور کو نقاب شعاع زرین سے کسی کر
مارض زریا کی طرح نمایاں کرتا جاتا ہے۔

مرغانِ نواسنج اپنی سرِ ملی خوش الحانی سے چوٹ کھائے ہوئی
 دلون کو ابھارنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ وہ جس پر اثر لہجے میں تو انجی
 کر رہے ہیں اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک پیدا کرنے والے
 خالق بے چون و بیچگون کی وحدت کا اقرار اور اُسکی شکر گزاری میں
 رطب اللسان ہیں۔ فرحت بخش ہوا جسکو نسیمِ سحری کہنا چاہیے۔
 اپنے لطیف اور خوشگوار جھونکوں سے رات کے مست السون کو
 جو بیخود ہو کر اپنے اپنے بسترون پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے ہیں چمکانے
 میں مصروف ہے آخر جس طرح کوئی طرحدار معشوق بسترِ خواب سے
 انگڑائیاں لیتا ہوا بیدار ہوتا ہے اُسی اُن بان کے ساتھ خورشید
 جہاں تپ نے مسندِ نور پر جلوہ افگن ہو کر اپنے جادو بھرے حُسن سے
 ایک عالم کو فریفتہ کر دیا۔

اب صبح کی نازک خوشگوار پر بہارِ سنہری کرنیں بلند مکانات کی چھتوں
 کو رنگتی ہوئی نیچے اترنا شروع ہوئیں۔

دوختون کے پتوں پر شبنم کی بوندیں جو کسی کے چہرہ پر نور کے
 پسینے کی طرح ٹپک رہی تھیں۔ دھوپ کی قوتِ جاذبہ نے اُنکو جذب کیا

کرنے شروع کر دیا۔

اس قدر ترقی سمان اور دلفریب سین کی بہار اُن دلربا صورتوں پر
نمازہ چڑھا رہی ہے جن کو سنہری رنگ قدرت کے نقاش کے رنگے
ہوئے ہیں۔

ایسے لہہانے والے وقت پر ہمارے حبیب لبیب - جن کا تخلص
(نواب) ہے اور یہی ہمارے اس ناول کے باوقار ہیرو ہونے والے
ہیں۔ اپنے نوجوان یار غار کے ساتھ جن کا تخلص (رفیق) ہے ہاتھ
میں ہاتھ ملائے باتیں کرتے ہوئے برآمدے میں آکر دونوں اپنی اپنی
کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور یوں چہ میگوئیوں کرنے لگے۔

نواب - (رفیق کی طرف مخاطب ہو کر) آپ نے جو انگریزی طرز معاشرت
کے متعلق مجھ سے دریافت فرمایا۔ اُس کی نسبت میں آپ کو یہی نیک
مشورہ دوں گا کہ سب سے اول انگریزوں کی سوسائٹی اختیار کیجیے۔
اور اسی سے حصول مدعا بہ آسانی ممکن ہے۔ یوں اگر طوطا - مینا کی
کی طرح سیکھنا چاہیں تو محال ہونے کے علاوہ دلچسپ بھی نہیں۔
رفیق - بیشک آپ کا فرمانا درست ہے۔ انشاء اللہ مدین کو مشش

کر دیکھا کہ ان کی نیک صحبتوں میں شریک ہو کر اپنی معلومات وسیع کروں۔

نواب - اس سے بہتر خیال ہو نہیں سکتا۔ ہاں اگر آپ بندے سے کوئی بات پوچھیں تو اپنی معلومات کی حد تک عرض کر سکتا ہوں۔
رفیق - بہرہ بانی سے یہ تو فرمائیے کہ یورپ کی طرز معاشرت میں باہم ملاقات کرانے کا کیا طریقہ ہے۔

نواب - یہ ایک مشکل اور اہم امر ہے۔ درحقیقت نا آشناؤں کو آپس میں ملا کر اور تعارف کر کے گھانگٹ کا جامہ پہنانا اور ان کے آپس کو اعزاز کی اعلیٰ قدر مراتب تصدیق کرنا اہم ذمہ داری کا کام ہے۔ لیکن تعارف کرانے والے کو پہلے اس امر کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ دونوں جب آپس میں باہم ملائے جائیں گے تو یہ ملاقات جانبدار کے لیے باعث مسرت ہوگی۔ اس وقت اس کا ارادہ کیا جائے۔

رفیق - ہمارے ہاں کی بھی تو یہی رسم ہے۔

نواب - جی ہاں۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ ہماری قوم میں پردہ کی وجہ سے خاتونوں کے ساتھ تعارف نہیں پیدا کیا جاتا ہے جس طرح لیڈیوں

سے یورپ میں آزادی کے ساتھ تعارف کرایا جاتا ہے۔ اور دستور
یہ ہے کہ ہمیشہ جنٹلمین کو لیڈی کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ کیونکہ انکو
نزدیک آفتناے ادب یہی ہے کہ جنٹلمین لیڈی سے رتبے میں
کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو لیکن اُس کو اخلاقاً لیڈی کے روبرو پیش کیا
جائے۔ اور اُنکے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ لیڈیاں بہ نسبت ہر د کے
زیادہ تر رعایت کی مستحق ہیں۔ لیکن بخلاف اسکے پہلے ہاں عورتوں
کی استعداد عزت اور منزلت نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال ضرور ملحوظ خاطر رہنا
چاہیے کہ کسی مرد کو لیڈی سے تعارف کرانے کے قبل لیڈی سے
استمزاز کر کے اجازت لے لی جائے۔ اسی طرح کم رتبے والے مرد کو
اعلیٰ رتبہ کے افسر سے تعارف کرانا ہو تو اعلیٰ افسر کے استمزاز کے بعد
کم رتبہ والے کو لیجا کر تعارف کرنا چاہیے۔ اول ملاقات میں صرف دونوں
باہم بزمین کو رخص کرنا کافی ہے مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کیا کشت
کر لیتے ہیں۔

اگر کسی دوست کے گھر یا کسی افسر کے یہاں کسی قسم کی دعوت ہو

اور وہاں نا آشناؤں سے ٹھہر ہو جائے تو باہم باتیں کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ ان سے دور یا کشیدہ رہنا بد خلقی میں داخل ہے کیونکہ ایسے موقعوں پر میزبان کی ملاقات ہی مہمانوں کی عزت کے لیے کافی ذریعہ ہے۔

رفیق۔ اس تعارف کے معاملہ میں اُن کے ہاں نزاکت زیادہ ہے۔
نواب۔ جی ہاں۔ اُن کی قوم کے کیا مرد اور کیا عورتیں کہ وہ نے تعلیم کی بدولت وہ عزت حاصل کی ہے کہ دوسرے ہندوستان کے اقوام باوجود دولت مند اور صاحب ثروت ہونے کے اُن سے بہت پیچھے ہیں۔ خدا کرے کہ ہماری قوم کی تعلیم معراج کمال پر پہنچے۔

رفیق۔ کیا آپ کی رائے ہے کہ فی الحال بندہ سکندر آباد کے کلب میں اپنا نام شریک کر دے آپ کی توجہ سے شاید میں کامیاب ہو جاؤں۔
نواب۔ ضرور۔ انشاء اللہ میں اسکی فکر کروں گا۔

رفیق۔ ہاں مہربان۔ فرمائیے تو پرسون سویرے ہی سویرے نسیم سحری کے جھونکے کی طرح لطف بہار دکھانے کہاں تشریف لے گئے تھے۔

نواب - کیا پانچوین رمضان کو۔

رفیق - جی ہاں۔

نواب - اُس روز بندہ بھی اُجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھنے گیا تھا جن کی آبادی طغیانی رودِ موسیٰ کے نذر ہو گئی ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں آپ سے نہ مل سکا۔

رفیق - واللہ عجب عبرت خیز سین ہے جس طرف دیکھتے سنا ہوا کا میدان

نواب - کیا عرض کروں حیدر آباد کا وہ اٹھتا جو بن اور اس کا وہ حسن و نصیب جو ان بستیوں کی آبادی کا باعث تھا ان کی آن میں خواب و خیال ہو گیا۔

خدا رکھے ہندوستان میں یہی ایک ریاست ہے جس سے اسلام کا نام قائم ہے۔ خدا جانے کس کی نظر بد کی بدولت ہم کو اور ہماری آئندہ نسلوں کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔

بخدا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں خداے تعالیٰ شاہِ آصف کے فیض کو ابد الابد جاری رکھے۔ حیدر آباد کی وہ شان جبروتی جو ایک

ہفتے کے قبل تھی اور جس کا نکھار اور بناؤ سنگار عروس بہار کے عارض
زیبا کا غازہ تھا اور جس کے باعث اسکو عروس البلاد کہا کرتے تھے
اب اسکے کھنڈوں کے دیکھنے کے بعد دل اس قدر متاثر ہو جاتا ہے
کہ رونا آتا ہے۔ فاعتبر وایا اولی الابصار۔

واقعی دنیا کی بے ثباتی کو دیکھ کر زندگی سے جی ہٹا جاتا ہے۔
دل پر کچھ ایسی افسردگی کی گھٹا چھائی جاتی ہے کہ کچھ طمطراق کی
طرف جی مائل نہیں ہوتا۔ الہی توبہ جس سمت نخل جائیے مطلع صاف ہے
حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی نیتوں کا خمیازہ ہکو بھگتنا پڑا مثل مشہور
ہے۔ نیت بدلتے ہی نیت بدلی۔

اُسکے سُوگ مین سوز غم کی بدولت دل کی گنتی سلجھانی مشکل ہو گئی ہے
نواب۔ (رفیق کی طرف مخاطب ہو کر) غالباً اس عرصہ میں آپ نے
بھی چار طرف پھر کر دیکھا ہوگا۔ اور عبرت حاصل کی ہوگی۔

رفیق۔ عبرت پوچھتے ہیں واللہ عبرت بھی ایسی کہ تمام عمر نہ بھولیں گے۔
نواب۔ مگر کیا کہیں۔ قربان جائیے اپنے بادشاہ کے۔ رعایا کے
ساتھ ہمدردی جس طرح ہمارا محبوب بادشاہ کرتا ہے سچا دوسری سلطنتوں

میں اسکی نظیر بہت کم ملیگی۔ ایسے اڑے وقت میں حضور کی بخشش کے باران لے جل تھل بھر دیے۔

رفیق۔ اللہ حضور کو سلامت رکھے۔ فرمانروائی اسی کو کہتے ہیں۔ اور شانِ فرمانروائی یہی ہے۔

رعایا چوبچ است و سلطان وخت

اس قول کو ہمارے حضور و اٹا نے اس موقع پر ہر طرح سے ثابت کر کے دکھا دیا اور رعایا بھی دل سے اسی طرح فدائی اور بندہٴ بدوامید **اَللّٰهُمَّ زِدْ فِرْدُ**

نواب کے خدمتی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ سرکار چھوٹی حاضری تیار ہے۔ اتنے میں دوسرے خدمتی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میان عبدالصمد خان جو جگت مانا کے نام سے مشہور ہیں حاضر ہیں نواب۔ یادش بخیر بکالو۔ جلد بکالو۔

جگت مانا۔ پیر و تشریف لائے۔ ان دونوں صاحبوں نے

اُس بوڑھے کو تعظیم کے ساتھ کرسی دیکر بیٹھایا

راوی۔ یہ ایک منسوب دارہین قوم کے ناشکی۔ پرانے فن کے

اور کئی پشتیں ان کی حیدر آباد میں گزر رہی ہیں۔ نہایت ہی نیک نیت
اور خلیق آدمی ہیں۔ معمولی نوشت و خواندگی لیاقت رکھتے ہیں۔ مریوں
اور امیروں کی محفل میں جہان گئے ابرِ رحمت کی طرح چھا گئے۔

نئے غمِ درو نے غمِ کالا

ایک آپ ہیں اور دوسری بڑھیا بیوی خوش خوش گزرتی ہے۔
دوسو منصب پاتے ہیں۔ اتنے حضور کو دیر گاہ سلامت رکھے۔ گھر
بیٹھے ایسے ہزاروں پرورش پاتے ہیں اور اس فیض سے سیراب
ہوتے ہیں۔ خوش مزاج ایسے کہ نقلِ محفل کہنا بیجا نہ ہوگا۔

نواب۔ کیوں میان مانا! چھوٹی حاضری تیار ہے۔

پیر مرد۔ چھوٹی حاضری کیا معنی کیا بڑی حاضری بھی ہوتی ہے۔

نواب۔ جی ہاں۔ سب کے ناشتے کو چھوٹی حاضری کہتے ہیں اور
چاشت کو برفاسٹ۔

پیر مرد۔ لا حول دلا قوۃ۔ سیدنی طرح سے ناشتہ کیوں نہ کہا یہ برفاسٹ
(برفاسٹ) مزید برآں۔

اس لفظ برفاسٹ پر دو لفظ صاحبون نے قہقہہ لگایا۔

نواب پیر مرد کا ہاتھ پکڑ کے۔ اپنے رفیق کے ساتھ ڈانٹنگ روم
میں آئے۔ اور میز پر بیٹھ گئے۔

پیر مرد۔ کانٹے چھری سے ہمیں کھانا نہیں آتا۔

نواب۔ خیر آپ ہاتھ ہی سے کھائیے۔

الغرض توست کو مسکہ اور جام کے ساتھ اس طرح کھایا جیسے
کوئی روٹی اچار کے ساتھ کھاتا ہے یا چٹنی سے۔ چائے پیتے وقت
کچھ تو میز پر گرائی اور کچھ اپنے لباس پر۔ بہر حال چھوٹی حاضری سے
فارغ ہو کر پھر برآمدے میں آئے۔

گلوریان کھائیں۔ اور حقے کا دم اڑاتے ہوئے۔ آپس میں یون
چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

نواب پیر مرد کی طرف مخاطب ہو کر (بھمی واقد ناما۔ تمہارا دم بھی
ہمارے لیے بہت غنیمت ہے۔

پیر مرد۔ (تن کر) کیا خوب۔ اجی ایک آپ کے لیے کیا معنی۔ ساری
جگت کے لیے۔

نواب۔ اور۔ فریق بجا ارشاد ہے۔ بیشک ساری جگت کے لیے

کیا بلکہ دونوں جہان کے واسطے۔

پیر مرد - (خوش ہو کر) اور سوچوں پر تاؤ دیکر الحمد للہ۔ شان کبریائی کے
 قربان جاؤں۔ والدین بھی ایک ہی ہوں۔ کوئی دوسرا ایسا پیدا تو ہو جائے
 (نواب کی طرف مخاطب ہو کر) نواب۔ مناسب! آج کا جمعہ کیا عالی حال چکا
 نواب - تو پھر کیا ہونا چاہیے۔۔۔ طلب کیا ہے۔

پیر مرد - والدین آج سنا سننے کو ہی چاہ رہا ہے۔ روح کا عالم دم بدم دگرگون
 ہو رہا ہے۔ جس طرح ترنوالے کھائے اسی طرح گانا بھی سنو اور تو مزہ ہی۔
 نواب - اے بزرگ تو بہ کرو۔ ابھی پندرہ روز نہیں گزرے کہ
 حیدر آباد کے فلد کے باعث جو سوگ ہمارے سر پر آیا ہے۔ اس
 سے فارغ نہیں ہو۔۔۔ اور آپکو گانا سوجھا ہے۔

پیر مرد - یہ پھلڈ کیا چیز ہے۔

نواب - (مسکرا کر) پھلڈ کی ایک ہی کہی۔ اچی قبلہ فلد فرمائیے۔
 پیر مرد - خیر کچھ ہی ہو مگر اسکے معنی کیا ہیں۔
 نواب - طغیانی کا طوفان فلد اسیکو کہتے ہیں۔

پیر مرد - تو پھر صاف سیدہ۔ طوفان۔ یا طغیانی۔ کیون نہیں کہتے۔

جنت لسنی کیا ہے۔

رفیق - اللہ کے جنت لسنی بھلا آپ کو کیا ضرورت تھی جو اس لفظ جنت لسنی کی مٹی پلید کی۔

پیر مرد - مٹی پلید کیسی - سہمنے تو اسکو صحیح کہا۔

نواب - درست ہے۔

پیر مرد - کیا پھر گانا نہ ہوگا۔

رفیق - اور نواب - نہ نہ - آج گانا معاف رکھیے۔ انشاء اللہ

عید کے بعد - وہ بھی کوئی تقریب خدا کرے پیش آجائے (کچھ سوچکر)

خوب یاد آیا - منجھلے بچے کی سالگرہ بھی قریب ہے۔

پیر مرد - کب - کب - ذرا کہہ تو دو۔

نواب - ۱۱ - سوال کو انشاء اللہ تعالیٰ۔

پیر مرد - (خوش ہو کر) اللہ بیکے کی عمر دراز کرے۔ انشاء اللہ پھر تو

لطف ہی لطف ہے۔

نواب - ہاں نانا - اُس روز کا قصہ تو ذرا ہمارے رفیق شفیق کو لفظ

بلفظ سناویجیے۔ وہ جو آپ کی اور ایک درویش کی ملاقات ہوئی تھی

پیر مرد۔ ارے تو بہ۔ اُس موذی کا ذکر نہ نکالو۔ اُس کبجنت نے تو دن دھاڑے مجھے۔ اور رام بھٹ خجومی دونوں کو گھٹ لیا۔
رفیق۔ آئین یہ کیا فرمائیے تو۔

اب پیر مرد نے اپنی بیٹی کو دونوں کی طرف مخاطب ہو کر یون بیان کرنا شروع کیا۔

میان کیا پوچھتے ہو۔ طغیانی کے روز خدا پھر ویسا دن نہ لائے
بندے نے ایک بہوڑے کے مکان میں جا کر پناہ لی۔
رفیق۔ کیا آپ بھی دیا بُرد ہو گئے تھے۔

پیر مرد۔ (غصہ کی نظر سے)۔ واہ یہ مارنے اور مرنے کی کیا بات ہے۔
خدا بخواتم۔ دشمن دیا بُرد ہو جائیں۔ بندہ اور بندے کا گھر بار سب
بال بال بچے۔ اور یہاں تھا ہی کیا موت کے پنجے سے چھوٹ کر آئے۔
رفیق۔ پھر آپ نے دوسرے کے مکان میں پناہ کیوں لی۔
پیر مرد۔ یہی تو ماجرا سننے کے قابل ہے۔ چند بد معاش میرے
گھر کے دواڑے کے پاس آکر چلائے پکارے کہ پانی یہاں تک
آگیا۔ گھر سے باہر نکل جاؤ۔ بس یہ سننا تھا کہ میان میں سن ہی رہ گیا۔

کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ بڑھیا کو چھوڑ کر بالا خانہ سے جو جھپٹا تو بس
بدحواسی میں زینے پر سے پاؤں پھسلا۔ پھر کیا تھا لڑکھڑا کر نیچے
دھم سے آ رہا۔

رفیق - آرزو - الہی خیر کر۔ (ادھر نواب تبسم کر رہے ہیں)۔
پیر مرد - ہاں میان کیا پوچھتے ہو۔ خیر گزری۔ بغیر طوفان کے مر گیا
تھا۔ لیکن الحمد للہ (تلوار تول کر) یہ ہاتھ سے نہ چھوٹی۔ بیش قبض
کو دکھا کر) اور نہ یہ کمر سے جدا ہوا الا سر بسجود ہوا۔

نواب - نانا۔ کیا کہنا۔ سبحان اللہ۔ آپکا گرنابھی باقاعدہ تھا اور
پھر ایاکَ لَعَبْدُ وَاَیَاکَ لَسْتَعِینَ جان بچنے کا شکریہ ادا کیا۔ سُبْحَانَ
رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔

پیر مرد - میان تمہاری بات بھی عجب انوکھی ہے۔ باقاعدہ گرنابھی
سنی۔ کیا سفر پین کولے ہو۔

نواب - (ہاتھ چوم کر) یہ کیا فرماتے ہیں۔ میں تو آپکا خرد ہوں اور
آپ میرے بزرگ۔

پیر مرد - (بچہ ہنوک کر) خدا عمر دراز کرے۔ سعادت مند ہو۔

نواب - ہاں قبلہ حاجات - پھر کیا ہوا -

پیر مرد - میان بہت سنبھلا اور یا علی مدد کہہ کر اٹھا یا ہر آکر دیکھا تو نہ پانی تھا نہ کچھ - بس پھر کیا پوچھتے ہو غصہ آگیا - عبرت کے تازیانی قدرت کی طرف - سے برس - بہتے تھے اور نا غابت اندیشوں کو دل لگی سو جھی تھی - لیکن میان - ایک دو گز بانی اور بڑھ جلتا تو ہم خدا کا ہوتا جلدیے تھے -

نواب - ہاں - اور فرمائیے -

پیر مرد - کیا کہوں - جب دیکھا کہ بانی ایک دو گز باقی ہے تو بندہ فوراً بڑھیا کو ساتھ لیکر - بہورے کے مکان میں آگیا -

رفیق - اُس وقت تو آپ بڑھیا کو چھوڑ کر نیچے اتر آئے

پیر مرد - ہاں تو پھر کرتا کیا - جان ہے تو جہان ہے -

نواب - داہر می رفاقت - عین طغیانی کے روز بہت سے ہمارے

ملکی اور انگریز جو انون نے جان جو کھون میں ڈال کر - ڈوبتے

ہوؤں کو بچایا اور آپ اپنی بڑھیا کو چھوڑ کر رفوچکر ہوئے -

پیر مرد - اُسٹھ کہنے کی باتیں ہیں -

رفیق - نہیں نانا۔ آپ کے سر کی قسم بالکل سچ ہے۔

پیر مرد - کیا میرا سر مفلک کا ہے جیسے مرید احمد کا سر۔

رفیق - یہ مرید احمد کا سر کیسا۔

نواب - وہی پُرانے دقیا نوسی جاہلون کا قول کہ انگریزوں نے

مرید کے سر کو خرید لیا تھا تاکہ اُن کی وفات کے بعد اُنکے سر کا آپریشن

کر کے دیکھیں کہ ان میں جو خدا داد قابلیت اور دانشمندی ہوتی

الہی و بیعت ہوئی تھی اُس کی وجہ کیا تھی۔

پیر مرد - دقیا نوسی بات نہیں۔ میں نے معتبر راوی کی زبانی

سنا کہ مرنے کے بعد اُن کا مغز تول کر دیکھا گیا تو کئی سیر نکلا۔

نواب - لاجل و لا قوتہ۔ ایسی فضول باتوں سے جسم پر رونگٹے

کھڑے ہوتے ہیں۔

پیر مرد - تم بھی تو انہیں کے مریدوں سے نیچری ہو۔

نواب - واقتد مرید اگر پیری مریدی کرتا تو سب سے اول

میں ہوتا کہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور خلافت بھی مجھی کو ملتی۔

پیر مرد - (گھڑک کر) کچھ ہوش کی باتیں کرو۔ لاجل و لا قوتہ پورے

نیجری ہو گئے ہو۔

رفیق - اب ان باتوں سے کیا حاصل - فرمائیے - بہرے کے
کان مین کیا گزری۔

پیر مرد - میان کیا پوچھتے ہو - دہان سے جو جوش و خروش اور
جزد و دریا کا نظر آتا تھا - خدا پھر نہ دکھائے -

رسیدہ بود دہانے دلی بحیرہ گزشت

نواب اور رفیق سچ تو یہی ہے -

پیر مرد - میان نہنگان عالی محبوب بادشاہ کو خدا اچھا رکھے -
اس فتیاب بادشاہ کی خوش اقبالی نے اُمید کی صورت دکھائی کہ ملتان
کم ہو گیا - خدا کہے کہ اسکی شہر اقبال پور ہی مہکتی رہے اور نصرت
و دفع ہمیشہ اسکی درباری کریں -

ہمارے نصیب کا ستارہ تو جھلکا گیا تھا مگر اس روشن خورشید کے
پر تو نے بچا لیا -

اس قصہ لطیف کی بنیاد آصفیہ اول کی ڈالی ہوئی ہے - وہ
ایسا با اقبال بادشاہ تھا کہ ملک دکن جیتنے کی طرح تھا - اُسکو آفتاب

بنا کر چمکا دیا۔ انشا رافد یہ سلطنت ہمیشہ آباد رہے گی اور اس کو
 کسی طرح سے گزند نہ پہنچے گا۔
 نواب اور رفیق - آمین ثم آمین -

این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

رفیق - اب فرمائیے کہ اذر کیا گزری -

پیر مرد - کیا عرض کروں۔ بالا خانے کا منظر اُس مکان کا بہت اچھا
 تھا۔ وہاں بیٹھا کیفیت دیکھ رہا تھا۔ لعشون کی تو کچھ گنتی نہ تھی خدا جانے
 لاکھ آدمی تھے یا دو لاکھ یا اس سے زیادہ۔ مگر یہاں تو حسابے تین
 ہزار کا ہی لگایا جاتا ہے۔

نواب - اجی قبلہ دو لاکھ آدمی کیا ہنسی کھیل ہے۔

پیر مرد - ہنسی کھیل کیا معنی۔ قہر الہی کے نزدیک کیا پڑی بات ہے۔
 تو بہ کرو۔ ابھی حال میں سنا کہ کہین ولایت میں زلزلہ جو آیا تو کئی لاکھ آدمی
 زندہ در گور ہو گئے۔

نواب - وہاں کا واقعہ ہی ایسا تھا۔

رفیق - (پیر مرد کی طرف مخاطب ہو کر) ہاں نا۔ یہ تو کہیے کہ من

مشہدوں نے آپکو ڈرا کر گھر سے باہر نکالا۔ آخر اُن کا کیا حشر ہوا۔
 پیر مرد۔ ہوتا کیا۔ کاش اُن گیدیوں میں سے کوئی ملجا تا تو دیکھتے
 کہ پیٹھہ تختہ کر دیتا۔

رفیق۔ (مسکرا کر) ہاں نا۔ تھے وہ اسی قابل پولیس نے ضرور
 خبر لی ہوگی۔

پیر مرد۔ پولیس دلیس کچھ نہیں کرتی۔ اور نہ کسی نے کچھ کیا۔ بلکہ
 اُٹایا ہوا کہ ہمارے گرنے کی مہنسی اڑائی۔

الغرض وہاں سے منگلہ حسینی عظیم سے ہوتے ہوئے میر عالم کے
 تالاب کا راستہ لیا۔ راستے میں رام بھٹ بجومی جو ہمارا قدیم رفیق تھا
 اُس سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ٹوک کر پوچھا کہ واہ رسے بجومی
 اتنا بڑا واقعہ گزرا۔ بجوم کے بل پر کو دتا تھا۔ اور پیشین گوئیوں کا
 دعویٰ تھا۔ کیا تجھے اسکی خبر نہ تھی کہ محسن ستاروں کے قرآن سے
 بحساب بجوم ہمارے ملک پر ایسی آفت آنیوالی ہے۔

رام بھٹ۔ صاحب جی سلام تو لیجیے۔ یہ کیسی خفگی۔ سلام علیک
 نہ مزاج پرسی۔ راستہ ہی میں جھپٹ پڑے جیسے.....

(ہنس کر خاموش)

ہم۔ آئیں۔ جیتے کیا۔ کچھ کہہ تو سہی پھر دیکھ۔ (پیش قبض پر ہاتھ رکھ کر) غراپ سے تو ندھی مین اُتار دوں۔

رام بھٹ۔ (دور ہٹ کر) ارے رام رام۔ میان جی اتنے خفا کیوں ہو۔ آپکی ہماری قدیم دوستی۔ اور عمر بھی قریب قریب ایک کچھ مہینوں کا سیر پھیر ہے۔

ہم۔ مین پوچھتا کیا ہوں اور تو کہتا کیا ہے۔

رام بھٹ۔ آپ سچ فرماتے ہیں کہ مین نے آپکو اس کی اطلاع نہیں دی کہ ایسا ہونے والا ہے۔

ابھی اس برہمن بخومی نے بات ختم ہنیں کی تھی کہ ایک

فقر۔ دنگا ختم وچم سے پہلوان معلوم ہوتا تھا لانی لانی اور کالی کالی

زلنیں۔ سن تقریباً پچاس کا۔ کلیم بروشن۔ نعلین چوبی

پاؤن مین۔ کا ہو کے رنگ کا عامہ سر پر۔ اور کچھ بول دربر۔

کھٹ کھٹ کرتا ہوا آیا۔

ہم۔ (بہت تعظیم سے) مولانا خادم قدسوسی عرض کرتا ہے۔

یہ کہہ کر جھٹ سے سرری ٹیک کی۔

فقیر۔ اللہ خوش رکھے بابا۔ کہ صر جاتے ہو۔

ہم۔ (رودنی صورت بنا کر) پیر و مرشد ہمارے شہر کا حال دیکھ
میں دیکھتے دیکھتے کیا ہو گیا۔

فقیر (آسمان کی طرف دیکھ کر) امرضی معبود کی۔ یاد رکھ کہ اس سے
بڑھ کر طوفان آنے والا تھا۔ مگر ہماری داڑھی کی خد نے لاج
رکھی جو محنت بہکوا اٹھانی پڑی اس حال سے تم واقف نہیں آخر
دو جانین تمہاری ریاست کے سنبھالنے میں نذر طوفان ہو گئیں۔

ہم۔ (ڈرتے ہوئے ادب سے) پیر و مرشد پیر و مرشد۔ کیا
شک ہے بیشک آپ ہی لوگوں کی دعا کی برکت سے یہ آفت
ٹل گئی۔ ورنہ خدا جانے آپ کے قدم نظر آتے کہ نہیں۔ لیکن حضرت
نے جو ارشاد فرمایا کہ دو جانین نذر آب ہوئیں۔ اس مجید سے خدا
واقف ہونا چاہتا ہے۔

فقیر۔ یہ خدائی راز کی باتیں کہنے کے قابل نہیں۔ مگر تم سے ہم
کہتے ہیں دل ہی میں رکھنا یہ کہہ کر دہنے بائیں دیکھا کہ اور تو کوئی

ہنہیں۔ لیکن پنڈت وہاں موجود تھا۔ اس پر شاہ صاحب کی
جو نظر پڑی تو ہم سے پوچھا یہ کون ہے۔

ہم۔ میان یہ رام بھٹ نخومی ہے اپنے فن کا چکا استاد بیسین
پشین گویان اسے نکین اور سب پوری اترین۔

فقیر۔ اُنہ کیا کہتے ہو۔ کیا تم نجوم کے قائل ہو

ہم۔ ہاں قبلہ بندہ قائل تو ہنہیں لیکن ماننا ہے۔

فقیر۔ چہ خوش گفٹی۔ قائل تو ہنہیں لیکن مانتے ہو۔ اس کے کیا۔

معنی مگر اچھا ہنہیں ہے نجوم غلط کہنے والا جھوٹا۔ کیا مجال جو فقیر

کے سوا کوئی اسرار الہی کو بیان کر سکے۔ ان کی نظر صرف سات

ستاروں اور اُنکے بروج اور اثرات تک ہی محدود ہے۔ فقیر چاہے

قلبت ہی جوش سے) عرض معلیٰ کی خبر لا سکتا ہے۔ لوح محفوظ میں جو

نہو اسکو لکھ دے یا لکھا دے۔ اور مٹا دے۔ سب کچھ فقیر سے ممکن ہے

ہم (کسی قدر پیچھے ہٹ کر دبی زبان سے) قبلہ سجا ارشاد ہے

بیشک فقیر کی شان اونچی۔ اور فقیر کا بول بالا

فقیر۔ ہاں ایسا ہی ہے۔

ہم۔ ہاں حضرت۔ کیا ارشاد ہوتا تھا۔ یہ بخومی تو اپنا ہی ہے۔ اسکو
حضرت رازدار سمجھیں۔ بندہ اس کا ذمہ دار ہے کہ یہ راز کسی
سے نہ کہیگا۔

فقیر۔ ہاں بابا سن۔ وہ دو جانین جو تلف ہوئیں وہ دو مجذوب تھے۔
ایک پرانے پل کے اُس طرف کھڑا ہو گیا دوسرا اُس طرف۔ اور
دونوں نے آپس میں منصوبہ کیا کہ آدمی بلا وہ چٹ کر لے اور
آدمی یہ ہضم کر جائے نصف لے و نصف لے کی ٹھہری۔ اور
دھم سے دونوں دریا میں کود کر غائب ہو گئے۔

ہم۔ اور بخومی اررز۔ ہائے۔ ہائے۔ ہائے۔ ان دونوں کی جان
مفلت گئی۔

فقیر۔ جان کیونکر جاتی۔ فقیر تو زندہ جاوید ہے۔
موت کسے آتی ہے دیوانی ہے
فیض تو پہلے ہی مٹا ہو گیا
وہ دونوں اب الٰہاوت تک زندہ ہیں۔ حکم مہبود یہی تھا کہ اس جیل سے
بلا ملے۔

پینڈت۔ رام رام۔ میرے تو پران نخل گئے اب کہان کی جندگی
(زندگی) (روتے ہوئے) سب کہنے کی باتیں ہیں۔

فقیر نے تیز گاہ کی برجھی لگائی۔

ہم۔ (بخومی کی طرف مخاطب ہو کر آہستہ سے) ارے او کبنت
گیدی چپ رہ۔ تو کیا جانے ان رمز و نکو۔

بخومی۔ اجی جاؤ جی کاہے کی رنج (رمز) ہم ایسی رنج و رنج کے
کلیل (قابل) نہیں۔

فقیر۔ (پیر مرد کی طرف گھور کر) کیوں بابا فقیر نہ کہتا تھا کہ نا اہل کے
سامنے معبود کے اسرار کی باتیں نہ کہنا چاہیے تو نے مانا نہیں۔
ہمارے منہ سے کہلوایا اور ذلیل کرایا۔

ہم۔ (گھبرا کر) نہیں قبلہ حاجات (ہاتھ چوم کر) معاف کیجیے۔ وہ
تو گاؤدی ہے۔

فقیر۔ تم کب اس سے کم ہو کہ گاؤدی کے رو برو راہ کہلوایا۔

ہم۔ تصور تو ہو معاف فرمائیے۔ لیکن قبلہ پھر ان کا کچھ بتا بھی
لا کر وہ کہان گئے۔

فقیر۔ اب نہ کہیں گے۔

بجومی۔ میان جی۔ تمہارے کو ڈنڈوت کرتا ہوں۔ پھر مادیجیے۔
(فرما دیجیے) کہ آکھر (آخر) کیا ہوا وہ لوگ کہاں گئے۔

فقیر۔ تو بہ کرو پھر کوئی بات انا پشناپ زبان سے نہ نکلے۔
پینڈت۔ (دونوں ہاتھ سے رخسارے پیٹ کر) تو بہ تو بہ تو بہ
اب نہ کہوں گا۔

ہم۔ (آہستہ سے) کیوں اب تیرا نفس ماستی پر آیا۔ الغرض یہ ہم
نے اپنی بھولی بھولی باتوں سے فقیر صاحب کو کچھ ایسا رجھایا
کہ شاہ صاحب آپے سے باہر ہو کر کھل کھیلے اور موسلا دار بارش
کی طرح یوں برسنے لگے۔

”سنو پندت جی وہ دونوں جس جہان سے آئے تھے وہاں
پہلے گئے۔ جوت مین جوت مل گئی یہ وجود عنقریب گل جاسے۔
مر جاسے۔ بہہ جاسے۔ اس سے کیا مطلب۔ رنج جو پاک اور
دائم الحیات ہے اُسکو کوئی مضر نہیں پہنچ سکتا۔ اور ایسے مہاتما
جنہوں نے اپنی خودی کو اُسکی دید و شنید میں برسون ریاضتیں کر کر

نسا کر دیا ہو وہ کب مرتے ہیں۔ اور لونڈی موت کیا کر سکتی ہے۔
 ہماری موت اختیاری ہے۔ چاہیں زندہ رہیں چاہیں مر جائیں
 چاہیں دوسرے کے خند میں طلول کریں۔ بہرہ پیا جو چاہے
 وہ رنگ لاسکتا ہے۔ لیکن پھر وہی ایک ہے۔“

پینڈت سست داکھ سے آپکا (قد مون کو ہاتھ لگا کر) بیشک
 میا بجی آپکے چرن کے بلہاری۔ آپ بڑے گیان دان اور مہا پرش
 ہیں۔ آپ کی لیلیا آپ ہی جانیں۔

ہم (پینڈت کی طرف دیکھ کر) کیون بچا ہتھو کھائل ہوے۔
 بتلاؤ کہ تمہارے علم سے یہ سب باتیں کیا معلوم ہو سکتی ہیں۔
 پینڈت۔ ہم گریب برہمن بیچارے پیٹ پالن کرنے والے
 کہیں پوتھی بچاڑی کچھ لے لیا۔ کہیں سے نیوٹا کھانے کا آیا
 تو دہان چلے گئے۔ سادی بیاہ سوخ کی گرج (غرض) سے
 دوڑ گئے یوں ہی اپنے پیٹ کا پالن کرتے ہیں۔ ہم کو دیکھو۔ اور
 یہ گیان کی باتیں دیکھو۔

فقیر۔ ہاں بابا اس علم سے تو واقف نہیں یہ رستہ ہی اور ہے

جسے ڈھونڈنا سنے پایا۔ سائین کا کرم ہو تو بیڑا پار ہے۔

راوی۔ والدان تینوں کا میل بھی تربیتی سے کم نہیں۔ ان کی باتیں کب پھلڈ (فلڈ) سے کم ہیں زمین و آسمان کو قلابے ملا دیے فقیری کیا کرتے ہیں۔ نرمل کے خریطے بھرے ہوئے کبھی کیا جتے کچھ مہر تو ہوتا ہی نہیں اللہ نے زبان دی ہے اور تمام جہان کے چھٹے ہوئے ہیں۔ بمصدق

من خوب میشتنا سہم پیران پارا

گیر وے کپڑے پہن کر فقیر بن بیٹھے۔

پیر مرد نے یہاں تک اپنی سرگزشت بیان کی تھی کہ بارہ کی

توپ دغی۔ دنانا۔

رفیق۔ (چونک کر حیب سے گھڑی نکالی) دیکھا تو پورے بارہ۔

اپنے دوست نواب کی طرف مخاطب ہو کر) نانا کا قصہ تو ناول ہے

سننے سننے طبیعت اگتا گئی۔ بس اب خدا حافظ انشاء اللہ

شب میں جب وہ پس پائین گئے تو پیر مرد کی طرف اشارہ کر کے

نانا کی بیٹی کو جی لگا کر سنیں گے اور اسکو قلمبند کر کے کسی اخبار میں

چھپو امین گے۔ تاکہ ناظرین کے لیے ضیافتِ طبع ہو۔

نواب - والدہ بارہ بج ہی گئے۔ لاجول ولا قوۃ باتون مین دن نہ معلوم
ہوا۔ خدا عافظ بند بھی چکر لگا کر آتا ہے۔

نانا - سب جاؤ مگر ہماری ایفون کا وقت آگیا (جہاں لکیر) اے
دیکھو نشے کے اُتار کے آتارہیں ہم تو ایفون کھا کر کھانے کے بعد
دیوانخانے ہی میں سو جائیں گے۔

نواب - نانا - بڑی مہربانی ہوگی جو آج یہیں رہو۔ شب میں چلو
جانا کھانے کا بندوبست کیے دیتا ہوں یہ کہہ کر اپنے خاںساں کو
حکم دیا کہ نانا کو کھانا کھلا کر دیوانخانے میں جگہ دو کہ قیلولہ کریں۔ اور آپ
زمانی میں روانہ ہوئے۔

راوی - ہم بھی آداب عرض کرتے ہیں۔ والدہ بیکاری بھی اسی کو
کہتے ہیں اتنے باتون مین محو ہوئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔
نہ یہ معلوم ہوا کہ دن کس طرح کٹ گیا کاش اتنا وقت دفتر میں کام
میں صرف ہوتا یا مطالعہ کتب کیا ہوتا۔ اور اگر اخبار پڑھتے تو
بھی اچھا ہوتا۔ مگر افسوس ہماری قوم میں معدودے چند شخص

کے سوا جن کو قدرتی طور پر حصول علم و فن کا شوق ہے سب کی عمر یوں ہی بیکاری میں گزرتی ہے۔ خدا نونیک دے علم کا شوق دے۔ اچھی سوسائٹی میں حصہ لین تو کچھ زندگی کا لطف بھی ہے خدا کے لیے شب میں پھر مجمع البحرین نہ ہو۔ کہ ایسی ہی واہی تباہی باتوں سے کوئی دوسرا طوفان بپا ہو جائے۔

بے تکلفی کی صحبتیں کس قوم میں نہیں ہوتیں۔ کام و مصدق کے بعد ہر ایک کا جی چاہتا ہے کہ جی بہلا میں گمراہی کا طریقہ ہی اور ہے۔ ایسی زینیت اور آرائش اور بناؤ سنگار سے شاید مقصود کا حسن دو بالا نہیں ہوتا۔ عمر سے مثرہ حاصل نہیں کر سکتے۔ پہلاک سے نیک نامی کا صلہ نہیں ملتا۔ بلکہ نظروں میں وقت کا پتہ سبک ہو جاتا ہے۔ اور ان باتوں سے نہ تو سرمایہ سعادت دینیوی حاصل ہوتا ہے نہ اجر اخروی دونوں تتر بتر ہو کر انگشت نمائی کے ہوا کی جھپٹ میں آجاتے ہیں۔ عاقبت کا افسوس کا قلم اور سیاہی بخشی کی سیاہی لیکر اپنے کل ناموں کو نامہ اعمال کی طرح دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو روٹتا پڑتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس واقعہ شنیدہ کو قلم بند کرنے میں
 ہمارا قصب عزیز بھی بہت کچھ ضائع ہوا۔ مگر ہمیں منظر یہ ہے
 کہ اپنے ملک کے نوجوانوں کو اس پیرائے میں نیک صلاحوں
 کے خریطے نذر کریں اور ان کو خواب سے جگا کر سید ہے اور بحیض
 راستوں کی راہبہری کریں۔

جتنے ماما کہ راستی پسند رہا نہ نہیں اگرچہ اس مشورے کا پوست
 تلخ ہے مگر مغز اس کا شیریں ہے ہم ایک لائق فلاسفر شیخ سعدیؒ
 کے اس قول کو بھولے نہیں ہیں کہ ۵

ہزارن کہ در لطافت طبعش خلایق نیست
 در باغ لاله روید و در شوره بوم خس

رات ہو گئی

شب کے آٹھ بجے ہیں۔ وہ توپ کی آواز آئی دن دنا دن رفیق
 نواب کے مکان پر پہنچے۔ ڈرائنگ روم کے زینے پر نواب

نے اپنے مہمانِ ذمی شان کا بہت ہی تپاک سے استقبال کیا اور دونوں مصافحہ اور معمولی مزاج پر سی کے بعد اگر گریسیوں پر بیٹھ گئے تو اب رفیق کی طرف مخاطب ہو کر (کیون مہربان آپ کو سوت اپنے مکان پر پہنچے۔

رفیق - سید ہا یہاں سے مکان گیا۔ ان دنوں کار آموزی کا طوق گئے مین پٹا ہوا ہے۔ امتحان کا زمانہ ہے دیکھیں کیسی گزرتی ہے اسید کے چہرے پر کامیابی کا غار چڑھتا ہے یا ناکامی اپنا ہونک چہرہ دکھاتی ہے۔

نواب - اجی آپ اور ناکامی۔ والد مین مشروط بتا ہوں۔ آپ تو ماشاء اللہ غیب کے سکندر مین۔

راوی - ہم بھی اس فقرے پر نصیب کے سکندر کچھ ہم ارصاد کرتے ہیں۔ بیشک یہاں ہی ہے۔ انہیں ہم بھی جانتے ہیں۔ ان کے والد بزرگوار بھی نصیب کے سکندر تھے۔ وہی ترکہ اس کو جوان ہو بھار کو بھی حاصل ہوا۔ والد ان کے دولتمند تھے اپنے بچے شومن اور اپنی قوم اور اپنے محلہ مین (نواب) کہلاتے تھے۔

نکلے پڑے تو معمولی تھے۔ لیکن قسمت کے دھنی۔ شریف الخاندان
 ذی خلق۔ ذی مردت۔ شگفتہ مزاج۔ خوش مذاق۔ پرلے درجے
 کے شوقین تھے۔ بڑا پلے مین خدا نے یہی ایک روشن چراغ
 دیا جس سے گھر کا اُجالا ہو گیا۔ لڑکا سعادتمند پیدا ہوا۔ ہونہار برو
 کے چکنے چکنے پات دوستوں نے مبارک سلامت کے تحفے
 پیش کیے۔ بھانوں نے دعائیں دین کہ کامیابی کی عمر دراز۔ قیام
 وضع اور فشن کے آدمی تھے۔ لیکن بڑے محتاط اس روز نہایت
 دریا دلی کی۔ جو سود و سوروپے خرچ کیے۔ اور دوست آشناؤں
 کی دعوتیں ہوئیں گویا قارون کے خزانے کو لٹا دیا۔ ان کی بسم اللہ
 خوانی کی رسم میں ہم بھی گئے تھے۔ اُس بوڑھے باپ کے لیے
 یہ رسم اپنے ہونہار فرزند کی گویا بالکل آخری خوشی تھی۔ بڑے میان
 نے اس رسم میں اپنی فراخ دلی کے جو ہر اچھی طرح دکھائے بہت
 سیر چشمی کے ساتھ روپیہ خرچ کیا اور اپنے اکلوتے لطف جگر کو
 شفیق استاد کے حوالے کر کے کہ دیا۔

جو استاد بہ زحمت پر

اس ہونہار نوجوان کی کم سنی تھی کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا
 دیرِ یتیمی ان کے تاج کی زینت ہوا۔ لیکن ان کی ایک اور سوتیلی
 ماں تھیں۔ جو بڑی شریف اور لائق اور ذی فہم بیوی تھی۔ اُس
 خاندان میں یہی ایک نور نظر تھا اور سارے خاندان کی آنکھوں کا
 تارا اور نصیب کا ستارہ تھا۔ اس ہونہار لڑکے کی حقیقی والدہ نے
 وقتِ اخیر جب فراقِ دائمی کا یقین ہو گیا تو اپنے لختِ جگر کو اپنی
 سوکن کے سپرد کر کے کہا۔

سپر دم بتو مایہ خویش را

تو دانی حسابِ کم و بیش را

اُس نیکخت بیوی نے اپنے اخیر دم تک اپنی سوکن کی بات کو نباہا
 اور اُسے یقین تھا کہ یہی ایک روشن ستارہ ہے جسکی بدولت تمام
 خاندان کا نام زندہ رہے گا۔ شفقت اور محبت کی گودوں میں پالا
 اور مہربانی کی نظروں سے دم بھر جُدا نہیں کیا۔ دریا سے محبت میں
 اُس دیرِ یتیم کو اپنی ممتا کی صدق کے آغوش میں اس طرح پرورش
 کیا کہ شاید حقیقی ماں بھی ہوتی تو ایسا ہی کرتی۔

مگر افسوس کی بات ہے کہ ایسی ماورِ مہربان کا سایہ بھی سر سے
 بہت جلد اٹھ گیا۔ لیکن خدا کی مشیت کو کون جانتا ہے بظاہر اسباب
 عالم میں تغیرات آنا فائنا ہوتے جاتے ہیں مگر اُسکے نتیجے کی خبر
 انسان کو نہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ اب
 انکے خاندان میں ایک انکے دُور کے رشتے کے بھائی ہیں جو
 اب تک زندہ ہیں۔ یہ اس قدر پُرانی وضع اور فن کے آدمی ہیں
 کہ بال کی کھال کھینچتے ہیں۔ موز و نیتِ طبع کے قربان جانیے
 کیا کہنا جب یہ شعر کہتے بیٹھ جاتے ہیں تو موز و نیت کو سون دُور
 بھاگ جاتی ہے۔

چنانچہ ہم یہاں بطور نمونے کے اُن کی دور با عیان ہدیہ باظرین
 کرتے ہیں جو مدارِ المہام کی خدمت میں انھوں نے پیش کی تھیں۔

رباعی

حاتم کی سخاوت کو ثانی تیرا ہاتھ ہو فیض کی تحریر تری دوزخ ہے
 آپ کا سرکار دریا ہاتھ ہے تشنہ لب جیبِ قدم کے سا ہے

دیگر

تو شاد ہے تو شاد ہے تو شاد ہی تیرے قد مون سی مری فریاد ہے
 وسیلہ نہیں کوئی بجز تیرے سوا تیری رشتے مجھے امداد ہے
 ناظرین ضرور ان رباعیوں کو پڑھ کر پھر کنگی ہونگے والد کر قدر
 اچھوتا کلام ہے۔ آدم سے لیکر تا ایند م جس شاعر کے کلام سے
 چاہیے مقابلہ کر کے دیکھ لیجیے۔ اگر کسی سے مجائے تو ہمارا ذمہ
 غرض اسی خاندان کے یہ بھی ایک ممبر کہلاتے ہیں۔ بھلا یہ اس
 ہونہار لڑکے کی کیا تربیت کرتے۔ لیکن اتنا احسان تو کیا کہ ایک
 بڑے دولتمند جاگیردار کے خاندان میں ان کی شادی کرادی۔

ادھر قسمت نے یون چمکا دیا۔ ادھر والدین کی جو کچھ متاع تھی
 حبیب صاحب کے تصرف پہ جا میں کچھ آئی۔ اور کچھ بیچ والوں کو
 ہاتھ لگی۔ باقی ان کو پہونچی۔ اب یہ نوجوان ہونہار اپنی سسرال
 میں تعلیم و تربیت پاتے ہیں۔ خوش قسمتی کے ساتھ بد قسمتی بھی لگی ہوئی
 ہے۔ کہ یہ اپنی بیوی کا بھی سکھ زیادہ دیکھنے نہ پائے۔

ایک لڑکی اس نخل مراد کا نمربے۔ فارسی میں متوسط لیاقت ہے
 کچھ انگریزی کا بھی حال میں شوق ہوا ہے شاعر بھی ہیں۔ تخلص

رفیق کرتے ہیں کلام میں سادگی باکپن لیے ہوئے ہے۔ مزاج
میں بذلہ گوئی۔ خندہ پیشانی۔ آداب و تہذیب دربار سے واقف ہوئے
جاتے ہیں۔ جوانی کے ذوق اور ہمت کے شوق نے کار آموزی
کی طرف متوجہ کیا۔ ایک درخواست مدار المہام کے یہاں دی اور
کسی دفتر میں کار آموز بھی ہو گئے۔ بہر حال تلمیذ اس قلم فرمائی
کا یہ ہے کہ یہ صاحب ہیں ضرور نصیب کے سکندر۔

اب ہم اس قصہ کو ہمیں چھوڑتے ہیں۔ اور نواب اور رفیق
کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بسم اللہ ناظرین سماعت فرمائیں کہ
دونوں میں باہم کیا گفتگو ہو رہی ہے۔
رفیق۔ آپ کی مہربانی ہے جو کچھ آپ فرماتے ہیں یہ آپ کے
حسنِ اخلاق کی دلیل ہے۔

بھئی کیا پوچھتے ہو۔ اُس بڑھے نے ہمارا ہیبت سا وقت ضائع
کیا۔ لیکن وہ ہے کہاں۔

نواب۔ کوئی پانچ کے قریب جب میں ہوا خوری کے لیے گیا
وہ اپنی بڑھیا کی خیریت دریافت کرنے سے دوبارے دغہ کر کے

گئے ہیں کہ ضرور آئیں گے۔ بُد با وعد۔ بے کاسپا ہے۔ اتنے مین
خانسان لے اطلاع دی کہ۔ جگت نانا حاضر ہیں۔

نواب۔ نے کہا۔ بلاؤ۔ جلا بلاؤ۔

پیر مرد آپہونچے۔ دونوں سنے بہت معاف کیا۔ اور تینوں
بیٹھ گئے۔

رفیق۔ نانا ابھی ہم تمہیں یاد کر رہے تھے۔ بقیہ قصہ تو سناؤ۔

نواب۔ بقیہ مجھ سے سن لیجئے۔ کہ فقیر صاحب کی بزرگی ٹانا۔ اور
نجومی۔ ان دونوں کے دلون پردہا کر چکی تھی۔ اور پھر آپ جانتے
ہیں کہ یہ دونوں بیچارے پُرانے فشن کے اور وہ فقیر ایک گھاگ
ہو شیار جہان دیدہ۔ زبان کیا ہے مفرض ہے۔ گیر دے کپڑے
پہننے سے کیا ہوتا ہے۔ چاہیے تو یہ کہ۔

در عمل کوکشن ہر چہ خواہی پوش

مگر اب اس کے خلاف ہے جو کچھ ہے بس خالی لغاف ہے کھولے
تو کچھ بھی نہیں۔ الغرض ان دونوں بڈھوں کو اُس فقیر نے باتوں
باتوں میں ایسا پرچا یا کہ یہ اُس کی خشک تر نفاظیوں کے دام

میں آگئے۔ یہاں کی ضعیف الاعتقادی تو مشہور ہے۔ جس کسی کو
 گیر وے لباس میں دیکھا۔ یا کسی کی ڈاڑھی لانیسی اور وضع مشائخ
 کی سی بائی۔ یا کوئی جٹین بڑھائے ہوئے اور کھجوت رمانے ہوئے
 نظر آیا۔ بس سمجھ گئے کہ خدا اسی جیس میں ہے پھر کیا ہے جہاں
 کہیں ان میں سے کوئی معفل کی شمع بنا سارے حاضرین پر و انوں
 کی طرح قربان ہونے لگے۔

الغرض نانا صاحب اور اُس بخومی کو اُس فقیر نے موہنی کاہرت
 اڑھا کر جو کچھ اُس وقت اُن کی جیبوں میں تھا خالی کر لیا۔ اور خدا
 بھلا کر گئے کہتا ہوا فوجکر ہوا۔

رفیق۔ مانتا اس قصے کا نتیجہ میں اپنے خیال میں یہی سمجھا تھا
 کہ چندین شکل برائے اکل۔ بس وہی ہوا۔ واند وہی ہوا۔

نواب۔ جی ہاں زمانے کی رفتار ہی کچھ ایسی ہے۔ کس قدر عبرت
 کی جگہ ہے کہ اس طرف طنیانی کو ابھی دو چار گھنٹے نہیں گزرے۔ مگر
 اُن تمام دیون پر عبرت کا سکہ جبار ہا تھا جو اُس خدا سے وحدۃ لا شریک
 کی شان جبروتی کی حقیقت کو جاننے والے تھے۔ اور اس طرف

شاہ جی معبود معبود کے نظر سے مار کر لوگوں کو داور فریب میں لارہے
تھے۔ فاعتبار وایا اولی الا بصاک۔

یہ میرا تجربہ ہے کہ بانوں کے طوٹے مینا بنا کر اڑنا جیسا کہ الیمہ بدنام
کنندو لوگوں کو یاد ہے بخدا پالینکس کے جاننے والے اور اس
مصر کے کے مرد میدان کو بھی نہیں آتا۔ ان کی مکاریوں اور دغا بازیوں
کے نیز گلیاں ہی خدا ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ ایک فرقہ جو واجب
التعظیم اور اسٹریٹ اور با عظمت تھا اسکو بھی بدنام کنندگان کو ناسمجھ
نے بدنام کر دیا۔ اب کوئی اچھا فیئر بھی اس لباس میں نظر آئے تو کسی
قدر شکل سے اعتبار ہوتا ہے۔

رفیق۔ بیشک آپ کا کہنا درست ہے۔ میں نے بھی جہاں تک
مٹولا ایسا ہی پایا۔

پیر مرد۔ خواب کی طرف مخاطب ہو کر امین نے کہہ دیا تھا کہ تم پورے
نیچرے بن گئے ہو۔ نہ تو کسی فقیر کو مانتے ہو نہ ولی نہ مطب نہ غوث
نہ ابدال کو۔ دہریوں کا مذہب اختیار کیا ہے۔

نواب۔ نانا۔ جو کچھ آپ فرمائیں بجا ہے اور آپ قابل مسافری بھی

ہیں مگر اتنا ضرور کہہ نگا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔

شب کے دس بجے۔ ٹھن ٹھن ٹھن اور آدمی نے خبر دی کہ

حکیم ولایت حسین آئے ہیں۔ نواب اور رفیق دونوں اُس آدمی کی طرف

مخاطب ہو کر ”اچھا بلاؤ“

حکیم صاحب آتے ہیں۔

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔

تینوں نے سلام کا جواب دیا۔ وَعَلَیْکُمُ السَّلَام

نواب۔ اَهْلًا قَسَّهْلًا یاسیم و دادی۔

رفیق۔ اے وقت تو خوش کہ وقت مانوش کر دی۔

پیر مرد۔ کیون حکیم صاحب اچھے ہو ہمارے دعا بھی لو۔

حکیم صاحب۔ نوازش کرم۔ مزاج شریف اور رانا کی طرف مخاطب

ہو کر) بندگی مانا بندگی معاف فرما۔

پیر مرد۔ اتنی دیر کے بعد جواب۔

حکیم صاحب ادھر نواب صاحب کی طرف مخاطب تھے۔

دونوں۔ الحمد للہ خیریت سے ہیں۔ مرن آپکا ہی انتظار تھا۔

نواب - کیون جناب حکیم صاحب ہم آپکو ڈاکٹر کہیں - یا حکیم - یا -

ویدراج -

حکیم - جو آپ کا جی چاہے فرمائیے - بندہ تو تینوں خطابوں میں سے کسی کا بھی مستحق نہیں -

رفیق - یہ کیونکر کیا آپ ڈاکٹر بھی ہیں -

نواب - آقاہ ڈاکٹر تو ہیں ہی مگر نینو کو ڈاکٹر کہنے سے یورپین ڈاکٹر شرماتے ہیں - صرف ہم لوگ اپنے گھر میں ڈاکٹر کہہ لیں مگر وہ لوگ جب کبھی مخاطب کرتے ہیں تو حکیم کے نام سے -

رفیق - کیا خوب - ڈاکٹر ہی چاہے کوئی پڑھ بھی لے اور اسکو ڈپلوما بھی ملجائے تب بھی اسکو یورپین ڈاکٹر نہ کہیں گے -

نواب - جو مصنف مزاج ہیں وہ تو ضرور کہیں گے - اور کہنا چاہتے نہ کہنا کیا معنی -

حکیم - فرق اتنا ہے کہ انکا چمڑا گورا ہے اور ہم خواہ کتنے ہی حسین اور گورے اور وضع دار نکیلے سچیلے ہوں مگر کالے ہی پکاری جائینگے - پس مراد - اجی حضرت تو بہ کرو دالند اگر مجھے کوئی کالا کہے تو میں اسکا

منہ کالا کر دوں۔

الغرض حکیم صاحب بیٹھ گئے۔

رفیق۔ اب سے ہم تو آپ کو ڈاکٹر صاحب ہی کہیں گے۔

حکیم۔ زہے لطف و احسان۔

رفیق۔ کہیے ڈاکٹر صاحب کہاں سے آرہے ہیں۔

حکیم۔ ابھی ابھی ایک جگہ علاج کے لیے گیا تھا وہیں سے آ رہا ہوں۔

رفیق۔ ہاں صاحب وہ تو بات ادھور سی رہ گئی کہ حکیم کیسے۔ اور ویدراج کس طرح سے۔

نواب۔ یونانی مین کچھ دخل ہے۔ اور مسرانی ادویات سے بھی دلچسپی ہے۔

رفیق۔ وائے کیا خوب آپ بھی چھپے رستم نکلے۔ ہم تو آپ کو نرا حکیم ہی سمجھتے رہے۔ چشم بزدور۔

نواب۔ آپکے ہاتھ میں شفا ہے خدا نے کچھ ایسی برکت دی ہے کہ سیکڑوں نے آپکے علاج سے شفا پائی ہے۔

پیر مرد۔ یہ میرے دائرے کا گورستان جو مردوں سے بھر چکا ہے۔

کیا ان میں حکیم صاحب کے ہاتھ کا کوئی شہید نہیں -
حکیم صاحب - خدا نہ کرے -

پیر مرد - (گھور کر) واہ پھر کیسے کیا خوب کہا - اجی یہ نہیں کہتے کہ قریب
قریب سبھی نے آپکے ہاتھ سے شہادت کا رتبہ پایا ہے - کوئی پکار رہا
ہے ذرا خاموش - یہ کسکی آواز ہے - سب کے سب اُس آواز کی طرف
متوجہ ہوتے ہیں - آواز آئی کہ "قلندر شاہ"

رفیق - (فطرت سے اُچھل کر) واہ قلندر شاہ ہیں - قلندر شاہ
(چلا کر) آئیے اُستاد آئیے -

قلندر شاہ - دربان دو کتا ہے -

ابن گریبان گرفت و آن دامن

کا مصداق ہو رہا ہوں -

نواب (بلند آواز سے) خبردار کوئی روکیگا تو سزا پائے گا - آنے دو
آنے دو -

راوی - قلندر کیا آئے محفل میں شمع آئی - یا باغ میں بہار - یا تنہا جان
میں جان - یا سر میں سودا یا دل میں درد - یا آنکھوں میں سرور - سب نے

برے چپاک سے غیر مقدم کیا۔

ناظرین حیران ہونگے کہ یہ کون مسخر القلوب اور آشنا پرست ہے
جسکے آنے سے محل کا رنگ ہی دگرگون ہو گیا۔ تعجب نہ فرمائیے

یہ ایک فقیر منش شاعر بے بدل ہیں۔ نور محل کی پیدائش شریف
خانہ ان سید النسب عنوث علی شاہ رحمہ کے دیکھنے والے۔ اور

انھیں کا نام رکھا ہوا ہے۔ ”قلندر“۔ اور اسی تخلص سے مشہور ہیں

مذہب ان کا سنت جماعت ہے۔ لیکن کچے صوفی۔ صلح کل ان کا
مشراب ہے۔ مرزبان مرغ دوست دشمن کو ایک تراذدین تو لے

ہیں۔ کفر و اسلام کو ایک ہی نور کا ظہور سمجھتے ہیں۔

کفر و اسلام درہش پویان

عالم۔ فاضل۔ شاعر بے بدل۔ جس کسی کے کلام پر قدح کی تواضع
کا لنگر مشکل سے اٹھتا ہے بائیں ہمدانہ والے پرے درجہ کے

بھولے بھالے مگر سادہ لوح نہیں۔ زمانہ دیدہ سنجیدہ۔ ادب و دانش
کے پتلے۔ خوش گزران۔ شیرین گفتار۔ ظرافت کے خریطے بھرے

ہوے۔ نثار اچھے۔ عبارت میں لطف۔ کلام میں زور۔ سادگی میں

بھی نرالی رنگ آمیزی۔ بذلہ سنج۔ بدیھ گو۔ ہر بات میں نئی تراش۔
 عبارت کے چہرے پر مقولہ کی ترکیبوں کا فاذہ چڑھ جاتا ہے۔
 مترادف فقرہ کے جوڑ جدا چلتے ہیں۔ مسجع عبارت کی لڑیاں۔
 گیسو سے رخسارِ جانان کی طرح بل کھاتی ہیں۔ معنی آفرینہ پرستیں۔
 بحیثِ مصاد کرتے ہیں جیسے ملکِ کلام کے مالک ویسی ہی
 سیاقِ عادت کے وحشی۔ معلوم ہوتا ہے طوطی ہزار داستان ہے۔
 کہ چہک رہا ہے۔ لڑائیوں اور راجاؤں کے دربار میں بار پائے
 ہوئے نیک صحبتوں سے فیض اٹھائے ہوئے۔ بھلا کیا
 ممکن تھا کہ ایسا شخص حیدر آباد جیسے مخزنِ اہلِ علم اہلِ فن سے
 دور رہتا۔ اور یہ کہنے کا موقع ملتا۔

بلبل ہون صحنِ باغ سے دوداؤں کے سر پر

آبِ دوداؤں کشان کشان دکن میں لایا۔ جس مغل میں گئے یہی آواز آئی۔
 بیابا کہ ہمہ طالبِ کمال نواز

بارے صد شکر یہاں آتے ہی ہمتی جگمگی۔ نصیب نے یاد دہانی کی۔ اور
 ایک امیرِ عظام کی دستگیری سے منصبِ اجرا ہو گیا۔ اب یہی وطن ہے

اور یہی دکن کی سرزمین۔ بمصداق۔ بآتی اَرْضِ مَمْنُونُ۔ مدفن ہو گی۔ خدا زندہ رکھے۔ ہم سلامتی مناتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ دلنوازی ان کی طبیعت ثانی ہے اس وقت تقریباً دو ہزار شاگرد حیدر آباد میں موجود ہیں۔ دل ایسا غنی کہ سوال قطعاً حرام ہے دریا دل ایسے کہ گھر میں بوریہ بھی نہیں۔ خدا رکھے عجب خوبون کے شخص ہیں۔

پیر مرد۔ (رفیق کی طرف متوجہ ہو کر) یہ قلندر ہمارا لنگوٹیا یا ہے۔ ایک زمانے سے دوستی ہے۔ انشی سے اونچی میری عمر ہونے کو آئی ہے مگر میں نے ایسا آشنا پرست دیکھا ہی نہیں۔

قلندر۔ (نواب کی طرف مخاطب ہو کر) یہ بڈھا لنگور بھی ہمارا قدیم آشنا ہے۔

پیر مرد۔ کیون دوست اچھا ہمیں لنگور بنایا۔ تمہاری قلندری کی تڑکرتا ہوں اور یہ بھی خیال ہے کہ پیر بھائی ہو۔ ورنہ بتا دیتا مزد۔ پیش قبض ہوتا اور آپ کی توند۔

قلندر۔ سبحان اللہ یہ صورت آپ کی۔ پیش قبض کتنے میں لیا تھا۔

کبھی بڑھیا کی توند میں بھی گیا کہ نہیں۔

نواب۔ استاد اب ذرا ہماری طرف متوجہ ہو جیے نا نا تو عجیب آدمی ہیں۔ جس سے دیکھو بھر جاتے ہیں۔ بہادر می میں اپنے کو رستم و سام سمجھتے ہیں۔ پیش قبض کی ہر وقت لیتے رہتے ہیں۔ خدا جانے کتنی بار پیش قبض چلا ہو گا۔ اب تو نوک بھی گھس گئی ہو گی قلندر۔ تو بہ تو بہ۔ پیٹ میں تو آنت نہیں۔ ہوا سے ہلتے ہیں دو چا پتیاں ہنم نہیں ہوتیں۔ پیش قبض چان کا قبضہ ہی کب سے جو ہر ایک سے خم ٹھونک کر مقابل ہو جائیں گے۔ میں تو سچ کہتا ہوں کہ آدمی کیا ہے مٹی کا تو وہ ہے۔

پیر مرد۔ (جہاں لیکر) اس وقت نشہ افیون کا اتر گیا ذرا سی افیون چاہیے۔ ایک ہی خوراک ساتھ تھی۔

نواب نے خانساں کو حکم دیا کہ تھوڑی سی افیون پیر مرد کو لادینا۔ پیر مرد تو افیون کمانے کے لیے خانساں کے ساتھ چلے۔ اور یہاں آپس میں باتیں شروع ہوئیں۔

رفیق (قلندر کی طرف مخاطب ہو کر) استاد یہ نا نا تو عجیب

فونوگراف ہے۔ بے چابی کے جو بولنا شروع کرتا ہے تو رکٹ ہی نہیں۔

قلندر۔ اچھا آدمی ہے۔ مین بدل چاہتا ہوں۔ اور آپس میں بھاہی بے تکلفانہ دوستی ہے۔ اور پھر ایک ہی مرشد کے گھرانے کے پیر بھائی بھی ہیں۔

رفیق۔ (قلندر سے) اُستاد۔ اس وقت آپکا کہان سے آنا ہوا۔
 قلندر۔ عشا پڑھنے گیا تھا۔ راستے میں دیکھا دو شخص خدا جانے کب کے رقیب تھے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ آپ سے تم۔ تم تو ہو۔ نے لگی۔ میں بھی تماشہ دیکھتا رہا لوگوں کا جگمگا۔ کھپا کچھ عورت مرد آکر جمع ہو گئے۔ جب ایک نے گالی دہی میں نے عرض کیا پیر و مرشد اسوقع اور نہایت سچی بات فرمائی۔ ساتھ ہی اُس گالی دینے والے نے میری طرف نگاہ کی۔ میں نے سزا مکر کے عرض کیا پیر و مرشد نے کہ میں غصی نہیں کی بسم اللہ ہونے دیجیے۔ ابھی میری ان باتوں کا جواب اُس نے یوری طرح دیا تھا کہ مقابلہ اسے حریف نے اُس گالی کے جواب میں نہایت خشن سے کام

لیا۔ اور ایسی گھالی سُٹائی کہ سُسنے والوں کے کلیجے سے گویا بندوبست کی گولی نکل گئی۔ مین کب خاموش رہتا۔

حریٹ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا کہ قبلہ عالم یہاں آپ جو کے۔ تذکیر کا صلہ چاہیے تھا تائینٹ الغلط۔

بس میرے اس فقرے پر دونوں ہنس پڑے اور میرے ہاتھ چوم کر کہا کہ واللہ آپ تو دلی بہن ہنسنے تو بہ کی اپنے نالائق حرکات سے تدمعات فرمائیے۔

راوی۔ خیر جو کچھ ہوا ہو۔ مگر یہ فقرہ کڑی کمان کا تیر تھا اور نہایت جربستہ کہ ”تذکیر کا صلہ چاہیے تائینٹ کا صلہ غلط“ واللہ مین تو قلندہ آزاد پر لے درجے کے ظریف۔ بر موقع اور جربستہ کہا۔ اچھا کہا۔ خوب نٹ نہ لگایا

حکیم اور رفیق اور نواب نے بے اختیار ہنسنا شروع کیا۔ اس قدر ہنسنے کہ ٹوٹن کو تر بن گئے۔ مارے ہنسی کے پیٹ مین بل پڑ گئے نواب۔ پھر وہاں سے آپ کدھر گئے۔

قلندر۔ وہاں سے ظہیر دہلوی کے پاس گیا۔ کچھ دیر تک ان سے

گلخپ رہی۔ ابھی ابھی دہان سے آرہا ہوں۔ اب اس وقت
توسنیری پرچی لپچا رہا ہے۔
رفیق۔ کیا جنگ کا لوٹا۔

قلندر۔ ہاں بھئی ہاں۔ اگر یہ سستا چٹوٹ بوٹی اس وقت لمبا ہے تو
جان میں جان آئے۔ ورنہ جو اس نفرو ہوے جاتے ہیں۔

نواب۔ بھئی ہم تو ایک شامبر (۱) کے ذریعہ والہ و سفید ہیں
ایسے داہی نشون سے کیفیت ہی کیا مائل ہوگی۔ مگر آپ کی خاطر
منظور ہے۔ اچھا (رفیق صاحب کی طرف متوجہ ہو کر) لچھمن سمبٹ
نجومی کو ذرا بلو ایسے وہ تو آپ کا دوست ہے اور ٹھنڈا لی بنانے
میں مشاق۔ اس میں اسکی عمر گزری۔

رفیق نے بہت خوب کہہ کر اپنے آدمی کو بلا کر کہا کہ جاؤ اور ابھی
ابھی پابست دگر دست بدست دگرے سطح بن بڑی لچھمن سمبٹ کو لاؤ۔ اور
کہدینا کہ ٹھنڈا لی کا سامان لیتا آئے۔ ہم نقدہ ام سے دینگے (آدمی
روانہ ہوا)

ڈاکٹر قلندر کی طرف مخاطب ہو کر) واللہ آپ تو پورے آزاد

ہین۔ بلکہ آزادی کے باوا آدم نکلے۔ باین ریش فیش ٹنڈانی
کا چسکا کیونکر لگ گیا۔

قلندر۔ ارے بھئی۔ ہماری سرشت اسی اکیر بوٹی کی بنی ہوئی
ہے تمہارا جی چاہتا ہے تو تم بھی تھوڑی سی لو۔
ڈاکٹر۔ جی معاف کیجیے۔ خدا آپ ہی کو مبارک کرے۔ مجھے عادت
ہین۔

قلندر۔ لاجول ولا قوۃ۔ عجب زاہد خشک ہو۔
ڈاکٹر۔ نہ بندہ زاہد ہے نہ مستقی۔ مگر اپنی طبیعت سے مجبور ہے۔
قلندر۔ پھر وہی بات کہی۔

افسردہ دل افسردہ کندا بجننے را
کسی نے آواز دی کہ پنڈت جی حاضر ہین۔
سب کے سب اُچھل پڑے۔ اِلا حکیم صاحب۔ قطب از جانی جنبہ
سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ لانا لانا گیدی خربے دم کو لانا۔
پنڈت۔ کمر بیدم کیا معنی۔

قلندر۔ جی ابھی آپ سمجھے ہین۔ ذرا تشریف رکھیے تو سمجھینا

نواب - ذرا کھوپڑی سہلا دیجیے۔

پنڈت - آئین کی کونسی بھلمناٹ ہے۔ ہم تو گریب سید ہیں۔

نواب - واللہ سید کی ایک ہی کہی لا حول ولا قوۃ کافر بھی

کہیں سید ہوتے ہیں۔ یہ تو اسلام کے لیے ہے۔

قلندر - نواب ! - اسکو ہم نہ مانیں گے۔ سید کے معنی سردار قوم

کے ہیں اس لحاظ سے اگر وہ اپنے کو سید کہے تو غلط نہیں۔

نواب - آپ کے حواس جاتے رہے ہیں۔ اجمی قبلہ سید تو

وہی ہوگا جو پنجتن کے سلسلہ اولاد میں ہو۔

ڈاکٹر کیا شک ہے بیشک ایسا ہی ہے۔ مگر خیر یہ بھی اپنی

قوم کے بزرگ ہیں۔ وہ اپنی زبان سے جو چاہیں کہہ لیں۔ مگر تمکو

اپنی زبان سے سید کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے۔

رفیق - بھئی یہ تو نقشب کی بات ہے۔ ہم تو اپنے استاد کی

بات مانیں گے۔

قلندر - اب خواہ مخواہ جمیٹر خانی کرنے سے کیا حاصل۔ جس کام

کے لیے بیچارہ بلایا گیا ہے اُس سے وہ کام تو لیا جائے۔

پنڈت - استاد! ہم تو تمہارے کائل (قائل) ہیں۔ دھن ہے
 تمہارے مات پتا پر تمسا پر بھمی پرایا ست جن پیدا نہیں ہوگا۔
 قلندر - خیر باتیں پیچھے کرنا۔ ٹھنڈائی کہاں ہے۔
 پنڈت - بنی بنائی تیار لایا ہوں۔
 قلندر - آج یہ تیار کیسی۔

پنڈت - میری سسرال کے لگے آگئے تھے۔ اُنکے واسطے
 اچھی گجیات (منغزایات) اور دو دھاپوٹ اور مصری بہت سی ڈالکر
 تیار کی تھی۔ کچھ کھرچ (خرچ) ہوئی باکی (باقی) ساتھ لیتا آیا ہوں
 سب کے سب۔ واہ بھئی واہ پنڈت۔ ہاتھ کاٹ کے کرے
 پہنانا چاہیے۔

ڈاکٹر - اگر مجھے حکم ہو تو میں اپریشن کر دوں
 نواب - حکیم صاحب۔ آپ کو تو بمصداق پتی کے غاب دین چھیچھڑا
 اپریشن اور دوا درمن ہی کی سوچھتی ہے

قلندر - جی مان۔ منتر کے روز اُٹھیں گے تو نانی اپنی کسوٹ کی
 تلاش میں معرّف رہے گا۔ اور ڈاکٹر اپنا اپریشن باکس دھونڈتا

پھر گیا۔ اور پنڈت اپنی پنچانگ -

ڈاکٹر۔ آپ کسکو ڈھونڈینگے۔

قلندر۔ ہم اپنے معشوق زرین رخسار۔ دلبر و عیار۔ ستم ایسا جو۔ قیامت

شعار۔ کج کھاد کو۔

رفیق۔ اور نواب۔ کیون استاد۔ ہمارے لیے بھی تو کچھ

فرمائیے۔

قلندر۔ جی آپ۔ سیندھی اور شراب اور رنڈیوں کو۔

رفیق۔ اور نواب۔ والد استاد۔ اچھی پیپتی اڑائی مگر کبھی پڑکی

راوی۔ ہم بھی اس قول کی داد دیتے ہیں۔ کیون ہوں والد نام کی

و مردی قد سے فاصلہ دارو۔ نہ بدنامی کا خوف۔ نہ عذاب کا خیال۔

نہ دنیا کی لالچ۔ لیکن شراب اور رنڈی کے نام سے باچھین کھلی

جاتی ہیں۔

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

قلندر۔ باتیں بہت ہو گئیں۔ بس اب ٹھنڈائی تو نوش فرمائیے۔

نواب نے تو وہی کاپیگ منگا کر اڑایا اور اپنے دوست رفیق کو

جی اپنا ہر نگ بنالیا۔

اور پنڈت نے ٹھنڈائی اُڑائی۔ مگر حکیم صاحب تقویٰ کے
پھیر جی مین ہے۔

ایسے تقویٰ کی ایسی تیسی ہے

جسے محفل کو کر دیا سونا

قلندر بھی اب ہماری جان مین جان آئی۔ ذرا عشا تو پڑھ لیں۔ مگر یا
جگت نانا کو چھوڑ دیا۔

سب نے۔ ارے ارے ارے۔ سبکو کچھ ایسی فنی فنی کی
سو جی کہ بوڑھے کو بھول ہی گئے۔

قلندر (خانسان کو پکار کے) میان صاحب کہاں ہیں۔

خانسان۔ جی انیون کھا کر حلوا کھا رہے ہیں۔

قلندر۔ حلوا خوردن رارو سے باید۔ اچھی حلوی سے کی سو جی۔

خیر کہہ نیا کہ جلد فارغ ہو کر آئیں۔ ٹھنڈائی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔

قلندر (رفیق سے مخاطب ہو کر) عشا تو پڑھ لیں۔

رفیق۔ دوہری عشا کیسی۔

قلندر۔ ارے بھئی۔ تہجد۔ تہجد۔

رفیق۔ گھڑی دیکھ کر) اُستاد ابھی گیارہ بج چاہتے ہیں۔ اتنے
میں گیارہ بجے۔

پنڈت۔ اے لو اُستاد جی۔ دیوی ماما نے ساکشی دی۔

نواب۔ آئین۔ ساکشی کیا معنی۔

قلندر۔ گواہی۔

رفیق۔ کیا گھڑی بھی تمہاری دیوی ہے۔

قلندر۔ جی ہاں گھڑی دیوی اور اُسکو دیول کا گھنٹا دیوتا۔

اس فقرے پر سب ہنسنے۔ پنڈت جی بھی زہر خند سے محفل
کے شریک رہے۔

نواب کے آدمی نے ایک رقعہ لاکر حکیم صاحب کے حوالہ کیا۔
نواب۔ کس کا خط ہے۔

آدمی۔ جی۔ جیونت راؤ وکیل کے پاس سے حکیم صاحب کے
نام آیا ہے۔ اُن کے پاؤں میں چوٹ آئی ہے۔

حکیم صاحب۔ (خط پڑھ کر) چوٹ نہیں۔ کوہ سرک گیا ہے۔

قلندر۔ کیا ہوا تھا۔

حکیم صاحب۔ خدا جانے۔

رفیق۔ (حکیم صاحب کی طرف متوجہ ہو کر) کو لہ کس طرح مرکب جاتا ہے

حکیم صاحب کو اب اپنے فن میں گفتگو کرنے کا موقع ملا۔

پھر کیا تھا۔ دیوانہ راہوئے بس اس قدر تشریح کے بال کی

کمال کمینہ پی سی۔ اسنے میں بارہ بجے۔

قلندر۔ لا حول ولا قوۃ۔ بیمار تو وہاں تڑپ رہا ہے۔ اور یہاں

آپ کو تشریح کی سوجھی ہے۔ بزرگ تم سے خدا سمجھے۔ اب اسکی

ضرورت ہی کیا تھی۔ جاؤ بھی۔ وہ تمہارا نام لیکے کوستا ہوگا۔

حکیم صاحب۔ جی اب چلانا۔

حکیم صاحب رخصت ہوئے۔

پیر مرد حقہ ہاتھ میں لیے دم اڑاتے ہوئے دیوانخانے میں

ہوئے۔ اور حکیم صاحب سے مذہب پڑ ہوئی۔

حکیم صاحب۔ کیون نانا۔ اب مزاج کیا ہے۔

پیر مرد۔ بھئی دعا دیتا ہوں نواب کی خیر مساتا ہوں۔ اور انخین کا

دم بھرتا ہوں۔ یہی ایک فیہ مجہتم اور آشنا پرست رکھے ہیں۔
 عالی دودمان۔ ذیشان۔ دل کے ایسے کہ کبھی سوکھا جواب نہ دے
 دوست دشمن سب انکے فیض کے دسترخوان پر ہمیشہ تر نوالے
 اُڑانے ہیں۔

حکیم صاحب۔ مجھے آپ کے ساتھ بالکل اتفاق ہے۔ آخر امیر
 ابن امیر ہیں۔ کیا کہنا۔ خدا حافظ

پیر مرد۔ کیا چلے۔

حکیم صاحب۔ جی ہاں کسی مریض کے پاس جانا ہے۔ کل انشاء
 پھر ملین گے۔

پیر مرد دیوانخانے میں جب آپکے نواب نے آواز دی کہ ناٹا۔
 نشریف لائیے۔ یہاں تو بنگ اڑی۔ وہی ہضم ہو گئی۔ آپ تھے مگر
 پیر مرد۔ آئین ہمیں خبر نہ تھی۔ یہ اوپر ہی اوپر مڑے لوٹنا۔
 نواب۔ آپ تو اپنی بینک میں تھے۔

پیر مرد۔ بینک کیسی۔ ابھی کہیں جنگ پر بھیج کر دیکھیے کہ کب
 کرنل دکھا کر آتے ہیں۔

رفیق - این کاراز تو آید و مردان چنین کنند -

نپے چہرے سے بھادری کے آثار نمایان ہیں -

پیر مرد - (وجہوں پر ناؤ دیکر) آخر ہاشمی النسل سپاہی ہیں - مذاق
دل لگی نہیں -

نواب - بھئی اب نمیند آرہی ہے خدا حافظ -

پیر مرد - تم نمیند کے بڑے کچے ہو - اچھا تو آداب عرض ہے - پھر
کب لیے گا -

نواب - انٹا انڈکل منجھلے بچے کی سالگرہ ہے - دعوت کے

کاراز تو تغیر ہو چکے - زبانی بھی آپکو دعوت دیتا ہوں -

پیر مرد - خدا زندہ رکھے - پھر تو مزہ ہی مزہ ہے -

اور نواب سب احباب سے رخصت ہو کر زنانے محل میں

سد ہارے - اور ادھر احباب اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے - شب بخیر

رات کے دو بچے ہیں

یہ دنت بھی عجیب پُر ہلک ہوتا ہے - جس طرح دیکھو - نماٹا

آسمان پتاروں کی بہار ایسی نظر آتی ہے جیسے کسی عروس
 کے چہرے پر افشان چنی ہو۔ تارے اپنے نورانی اثرات سے
 زمین پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ مغرب کی طرف چاند کا گورا
 مسور چہرہ نظر آ رہا ہے جہاں سطح زمین ہے وہاں اس وقت چاند
 کی دھیمی روشنی ہے اور چاندنی کی ایک شفاف اجلی چادر بچھی
 ہوئی ہے۔ مکانون کی چوٹیوں پر اسکی بہار اور اس کا سنگار اور
 نکھار بالکل انوکھا اور نرالا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عروسان مہوش
 کی چوٹیاں روپہلی مہلات سے گندھی ہوئی ہیں۔ آسمان پر سیاہ ابر
 کے لگے کہیں کہیں زلف مہوشان کا کام لے رہے ہیں۔ کبھی
 چاند کے پُر نور چہرے پر آکر کسی مہر و کے بکھرے ہوئے بالوں کی
 طرح اُسکے تابناک عارض کو چھپا دیتے ہیں۔ کبھی زہرہ اور مشتری
 سے روشن ستاروں کے چہرہ پر نقاب کا کام کر جاتے ہیں۔ اور
 ان بادلوں کی وجہ سے کبھی گرمی اپنی گرم بازاری دکھا رہی ہے۔ اور
 جب کبھی یہ سیاہ لکڑے پریشان ہو جاتے ہیں تو دھیمی دھیمی
 خوشگوار ٹھنڈی ہوا کا جھونکا پنکھا جھلتا ہے۔ ابتداء شب کے

جاگے ہوؤں پر نیند کا داماوا ایسا ہو چکا ہے کہ سوت و بے خود پڑے
 پہلے خزانے لے رہے ہیں۔

ماہِ تابِ اب آسمان کے تیسرے حصے کا دورِ ختم کر چکا ہے۔
 اور مغرب کی طرف سر بسجود ہو کر اپنے خالق و حیات کی آستانِ بوسی
 میں مصروف ہے۔ لیکن انکی دل لبھانے والی شمعِ عین کسی حورِ شہ
 زہین کمر کج کا اہ کے روئے روشن پر ایسی پڑ ہی ہیں کہ حسن و دہلا
 ہو کر آسمان کے گھوڑے والے تاروں کو اس کو جمالِ جہان آرا کے
 دیکھنے میں مدد دے رہا ہے ایسے دلفریبِ سامن میں ہمارے اس
 نادل کے ہیر و کے گھر چاند کا ٹکڑا روشن ستارہ نحتِ جگر نوں نظر یعنی
 فرزندِ سعادت مند پیدا ہوا۔

مبارک باشد و باشد مبارک

شادیاں بک رہے ہیں

برجِ مشرقِ امید سے جب آفتابِ عالم تابِ تہنیت کا سرخ جامہ
 پہنکر اپنی سنہری کرنوں سے عالمِ مین نورِ شادمانی بکھیرتا ہوا جلوہ گین

ہوا۔ اور اُس طرف ہمارے اس وقت کے ہیرو نواب علی القاب۔
 گردن قباب نے بڑھوم سے اٹھکرا دازدی۔ دلفروز! اود دلفروز
 دلفروز باندی حاضر ہوئی۔ پہرے سے آثارِ مسرت عیان بہت ہی
 ادب سے جھک کر آداب بجالائی اور عرض کیا کہ خدا سے تعالیٰ
 مبارک کرے۔ اقبال کا ستارہ طلوع ہوا۔ یعنی صاحبزادہ مبارک۔
 نواب۔ (مسرت سے) آمین دلفروز کیا کہہ رہی ہے۔

دلفروز۔ بادب پھر مبارک باد عرض کرنے کی باندی جرات کرتی ہے
 نواب کیا خوب ہمیں کچھ خبر ہی نہیں۔ کچھ ایسے نیند کے ماتے
 ہوئے کہ اپنے اور پرانے کی خبر نہ رہی (خوشی کے جھجھکے) کیون
 کسی نے جھک جگایا بھی نہیں۔

دلفروز۔ میان رات کے دو بجے تھے اُس مبارک اور سُبکھڑی
 اور شہانے وقت پر۔ برج محل سے آفتاب سعادت طلوع ہوا۔
 ہم باندیوں نے اُسی وقت جبکہ بیگم صاحبہ کے دروازہ شروع ہوا۔
 حضور کو بیدار کر کے عرض کرنا چاہا۔ مگر بڑی بیگم صاحبہ نے بتا کید حکم دیا
 تھا کہ نیند سے جگانے کی ضرورت نہیں۔

نواب - الحمد للہ الحمد للہ - جلد پانی لاؤ - وضو کر کے اپنے رب العزت کا شکریہ ادا کریں -

دلفروز - اور دوسری باندیوں نے جھٹ سے وضو کے لیے پانی حاضر کیا اور نواب نے حواج ضروری سے فارغ ہو کر وضو کر کے اول دو گانہ شکر یے کا ادا کیا - اور پھر صبح کی نماز پڑھی - چائے پیکر لباس تبدیل کر کے باہر جانے کو تیار تھے کہ بڑی بیگم صاحبہ شریف لائین - یہ نواب کی بھوپھی ہوتی ہیں -

بڑی بیگم - نواب کی بلائین لیکر غم و راز ہو رہا مبارک کرے -
نواب نے عجیب سے اشرافیانِ محال کر نذر پیش کی اور بہت ہی آداب سے آداب بجالائے - اس وقت چہرہ فرط مسرت کلاہی ہوا جانا
بڑی بیگم - آج سنبھلے کی سالگرہ کی تقریب اور یہ اُس کے بھائی کی پیدائش کی خوشی دوہری مسرت ہے - جم جم خدا تجھے ایسی خوشیاں دکھائے - دُہن دو دھون نہائے پوتون پھلے -
نواب - بھوپھی امان - یہ سب آپکی دعا کی برکت ہے - آپکی آن مہربانیوں کو میں ہرگز نہیں بھول سکتا - جو آپ میری والدہ کے

انتقال کے بعد سے میرے حال پر مبذول فرمائی رہیں مگر وہ زندہ
ہوئیں تو اس سے زیادہ کیا کرتیں جو آپ نے میرے ساتھ شفقت
مادری کے فرض کو ادا کیا۔

بڑی بیگم (نواب کی بھائی) بٹیا یہ تیری سعادت مند سی ہے
خدا تجھے ہر حال شاد و بامراد رکھے (یہ کہہ کر رخصت ہوئیں)۔

نواب باہر برآمد ہوئے۔ حاضرین نے مبارک سلامت کے بعد نذرین
پیش کیں خاساں نے عرض کیا کہ خداوند نعمت قوال مبارکباد
عرض کرنے کے لیے حاضر ہیں۔ اور نوبتی وغیرہ حکم کے منتظر ہیں
کہ شادیانے بجائیں۔

نواب نے قوالوں کی حاضری کا حکم دیا۔ اور شادیانے بجانے
کی درخواست منظور فرمائی۔ شادیانے بجنے شروع ہوئے اور
قوالوں نے مبارک باد گائی۔ نواب نے سب کو درجہ بدرجہ انعام
تقسیم کر کے کہا کہ باغ عالم میں آج جاگیر داروں کی کمیٹی ہے۔ ہلدا
شرک ہونا ضرور ہے۔ گاڑی حاضر نہ کو۔

تھوڑی دیر میں امیر گارمی آئی اعدا و ہر نواب تبدیل لباس فرما کر وہاں پہنچے۔

خوب گزری گی جوں مٹھینگے دیوانے دو

ایک کہتا ہے اپنے دوست سے۔ یار زمانہ ہمیشہ آثارِ سلف کی نمونہ بننے کے مٹانے میں مصروف رہتا ہے۔ دیکھو۔ اس ملک حیدر آباد کن کو جو عروس البلاد کہلایا جاتا تھا۔ جسکے سن و نظریہ کے اہل وطن ہی نہیں بلکہ غریب الوطن بھی والدہ شیفہ اور والدہ رہتے تھے۔ جگر روز ایسے آباد پر بہار شہر کی اکثر آبادیاں رود موسیٰ کی تلغیانی کی جڑ ویران ہو گئیں۔ وسیع کھلے میدان میں کھڑے ہو کر جڑوں نظر دوڑاؤ نگاہ کا منظر مبتدر وسیع ہوتا جاتا ہے سوا کھنڈروں کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی چیز نظر بھی آتی ہے تو صرف کہیں ریت کا ٹیلا زبانِ حل سے اپنی بیکسی کی داد چاہتا ہے۔ یا کوئی پریشیب گھاٹی اپنے گریبانِ فکر میں غوطہ لگائے ہوئے ہے۔ شکستہ دیوارین غمِ عالم کی آئینہ بکر حیرت میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ حسرت نصیب یادگاروں میں فی صدی ایک بھی نہ بچی۔ سب دریا برد ہو گئیں۔ پڑانے قبرستان جن میں نامی اور متول لوگوں نے دنیا

سے بیزار ہو کر آرام لیا تھا۔ آجکے روز اُن کے دو آخری مکان بھی طوفان کے دستِ ظلم سے اکھڑ کر اس قدر پریشان پڑے ہوئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے دلوں کو ٹکڑے کر کے بکھیر دیے ہیں۔ مشرق کا ایک دن تو یقینی ہے۔ لیکن آجکے روز وہ بھی ان جانثاروں کے مکانوں کی بربادی اور تاراجی کو دیکھ کر اُن کی بکیسی اور بے بسی پر عبرت حاصل کر کے روتا ہوگا۔

کہان مین وہ بہادر جنھوں نے ایک گز زمین کے واسطے اپنا خون بہایا۔ لیکن اپنے قبضے سے جانے نہیں دی۔ اور جن کی دلاوری اور بند مہتی سلطنت کی مستحکم بنیاد کی پتھر سمجھی جاتی تھی۔ کہان مین وہ فیاض زمان۔ جو دشمن اور دوست کو سخاوت کی دریا کے گھاٹ پر۔ یکجا سیراب کرتے تھے۔ فکاک کی گردنوں نے اُنھیں بھی گھس گھس کے مٹا دیا۔

کہان کہان کے مسافرانِ غریب اوطان اپنے خویش و گناہ اور وطن سے جدا ہو کر۔ حیدر آباد فرخندہ بنیاد کو اپنا، من و ملجا قرار دیکر اسکی سرزمین پر آ کر زندگی بسر کرتے تھے آج کے روز اُنکے نشان

بھی بے نشان ہو گئے ہین۔ دنیا کے بھی عجیب عبرت انگیز واقعات
ہین جو کسی نظر فریب کی خیالی تصویر کی طرح رات اور دن ہماری آنکھوں
کے نظارے بن بن کر ملتے جاتے ہین۔

تقریباً ۱۹ ہزار گھر نذر آب ہو گئے اور تھمنا چار ہزار جانین جزو مد
طوفان مین پھنس کر خنک اہل کا ہمتہ ہو گئین۔ شوہر بیویوں۔ اور
بیویاں شوہروں۔ باپ۔ بیٹوں۔ اور بیٹے۔ باپوں۔ اور مائیں بچوں۔
اور بچے ماؤں کو ڈرتے دیکھا کیے۔

نیچر کے تعلقات جو ایک زمانے کے لیے مستحکم اور استوار تھے
ابک چشم زدن مین ٹوٹ گئے۔ بعض بعض ایسے بھی بد نصیب
سمت کے مارے فلک کے تائے ملین گئے کہ جن کے کہنے
کے بیس بیس پچیس پچیس آدمی چشم زدن مین نذر اہل ہو گئے۔
لیکن سمت جانی کے قربان جانیئے کہ بے خانان ہو کر بھی بحال تباہ
زندہ درگور ہین۔ مرنا جاہستے ہین۔ مگر موت آتی نہیں۔ ارادہ ہوتا ہی
کہ کسی جیلے سے اپنے آپ کو اس دُکھ کے غم خانے سے نجات
دین۔ اور اپنی روح کو اس صدمے کے قید خانے سے آزادی

کا پروانہ دلا دین - مگر کوئی شے اس ارادے کی ایسی حاصل ہوتی ہے جیسے سد سکندری -

اے بہادر زو کہ خاک شدہ

یار غمخوار - بھائی تیری جادو بھری تقریر نے تو میرے دل کو چھلنی کر دیا - ہر ایک لفظ تیرا کڑی کمان کا تیر - اور ہر بات تیری اکسیر کی گولی ہے - جس نے دل اور کلیجے کو چھید ڈالا - سچ تو یہ ہے کہ دنیا جاے عبرت ہے - مثبت کے آگے کسی کی چل نہیں سکتی - دم مارنے کی مجال نہیں - اَلنَّصِیْبُ یُصِیْبُ کہہ کر اعنی بہر منار اللہ رہنے کے سوا چارہ نہیں - مگر یار سچ پوچھو تو اس وقت شاہ آصف کی دریا دلی اور شفقت اور مہر رحم نے ہمارے اور دوسری رعایا کے دل کے ساتھ وہ کام کیا جو والدین کی محبت اولاد کے ساتھ - پیغمبر کی امت کے ساتھ کرتی ہے - قدم جہنادشوار ہو گیا تھا - امید و ن کر دریا سے کنارے ہو چلے تھے - بارے رت بدلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے - مصیبت کی بدلی سے راحت کا چاند نکلتا ہوا نظر آتا ہے - دوست - اللہ رکھے - اسی بادشاہ کے دم کے سارے جلوے میں

دو لہا کے دم کے ساتھ یہ ساری برت ہے۔

ورنہ بھتیاب، ہا کون۔ اور ایسی ہمد، دمی کون کریگا۔ جا بجا لنگر خانہ کھو کدے
 لکھو کھا روپے کے مصارف کا خزانے پر بار ڈالا۔ اُسکی ناخوانی
 نے اس دکن کی کشتی اور اُسکے بیٹھنے والوں کو مندر بار سے کنارے
 پر لگایا۔ خدا اس بادشاہ کی عمر میں برکت دے۔ فرما زوانی کی شان
 دکھائی۔ جو کہا وہ کر گزرے۔ کلفت راحت بدلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے
 یار۔ ہماری بات یاد رکھنا کہ یہی ویران بستان جب کامرئیہ تھے اس
 وقت پڑا۔ انشاء اللہ المستعان آباد ہو جائیگی۔ اور اسوقت
 مبارک باد کی تراز سنجی سے ہم اہل دکن کو خوش کر دیں گے۔

دوست۔ خدا ایسا کرے اور انشاء اللہ امید قوی ہے۔ مگر بھی
 عہدہ داروں نے بھی بڑی جان فرسائی کی۔ رات کو رات نہ سمجھے۔
 دن کو دن نہ سمجھے۔ ہمہ تن رعایا کی خبر گیری اور اُن کو مدد دینے
 میں کمر بستہ اور مصروف ہی رہے۔

یار۔ سچ تو یہی ہے۔ بیشک تم نے اس قت داد دی۔ اکھڑی
 ہوئی طلبہ تین کو جمانا واللہ انھیں مستقل مدبروں کا کام تھا۔

دوست - کیا لنگر خانے اب تک جاری ہیں ؟
 یار - واہ لنگر خانوں کی اچھی کہی - اجی ایک مدت ہوئی برخواست
 ہو گئے تاجکے روز چالیس پچاس ہزار غرابو کھانا تقسیم ہوتا رہا - ننگون
 کو کپڑے ملے - مالی مدد اب تک ملتی جاتی ہے - مدار المہام
 کشن پرشاد اب تک دورہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں -
 دوست - یار بیچ تو یہ ہے کہ جیسی مستعدی اور سرگرمی سے ہمدردی
 کا اظہار ہوتا ہے اور انکے دیوان اور عہدہ داروں نے کیا ہے -
 وہ دکن کے صفو سارنج میں یا دگار رہ جائے گی -
 یار - ہن بھی اب باتیں ہی ہونگی یا اپنے کام دمنڈے کی بھی کچھ
 فکر کریں گے -
 دوست - خدا حافظ میں ذرا حسین سا گر جاتا ہوں - خدا حافظ -
 خدا حافظ -

جگت نانا اور انکی بڑھیا کی چہ میگوئی

پیر مرد - کیوں بیگم - کہو تو مزاج کیسا ہے -

بڑھیا۔ خدا خیر کرے۔ کیا ہوا میرے مزاج کو۔ تم اپنا حال کہو۔
 پیر مرد۔ الحمد للہ۔ اچھا ہوں۔ اس وقت چنیا بیگم (فیون) کا نشہ
 عشق سر پر سوار ہے اور بمصدق۔

جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے

اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔

بڑھیا۔ اے ان۔ نو۔ میں تو بھول گئی تھی جب ہی تو تم نے
 بڑا نام شروع کر دیا۔

پیر مرد۔ کیا میں گھوڑے بچ کے سوراہا ہوں۔
 بڑھیا۔ کیا اس میں شک ہے۔

پیر مرد۔ خیر یہ تو کہو میں ایک بات تم سے پوچھنا چاہتا ہوں بشرطیکہ
 تم غصے میں نہ آ جاؤ۔

بڑھیا۔ خدا خیر کرے۔ ایسی کونسی بات ہے۔

پیر مرد۔ بات تو کوئی ایسی نہیں۔ لیکن تم غصیلی بہت ہو۔
 بڑھیا۔ آپ سے کم۔

پیر مرد۔ (آنکھیں کھول کر) ان کیوں نہیں۔ آخر ہم مرد ہیں۔ تم سے

تو بڑھ کر ہی رہنا چاہیے ۔

بڑھیا ۔ مبارک ۔ لیکن ایسا بھی کیا غصہ کہ جیسے کسی کو جنون ہو گیا
 آؤ سو مجھے نہ تاؤ لکڑی سی ہے تو دے اری ۔ گلاس ہے تو اُس کے
 سو لکڑے کر دیئے ۔ ایک روز تو کابج کی شہنائی اسے ہے کہ قتل
 خوبصورت تھی ۔ چکنا چور ہو گئی ۔ خدا کی قسم بستا مکہ ۔ مین یاد کرتی
 ہوں ۔ تو میرے آنسو نکل پڑتے ہین ۔

پیر مرد ۔ اجی ہم شیر نستان مین ۔ جو چیز سانس آئی اُس کا کار کیا ۔
 بڑھیا ۔ خدا کی قسم کاش تم شیر ہی ہوتے اور بستیوں ۔ کہ عووض
 جنگل مین بسیر کرتے ۔

پیر مرد ۔ اور تم شیرنی ہو مین تو اور زیادہ لطف ہوتا ۔

بڑھیا ۔ اوسی ۔ خدا نہ کرے دشمن دور پارسات کمندریج ۔ میرے
 دشمن کو یہ بات نصیب نہ ہو ۔

پیر مرد ۔ کیا اب تم انا کہنے سے شیرنی ہو ہی گئین ۔

بڑھیا ۔ نہ ہی ۔ مگر زبان سے فال تو نیک نکالو ۔

مزن فال بد کا درد سال بہ

پیر مرد۔ (چٹ سے بوسہ لیکر) واللہ اس وقت کیا جبرستہ مصرع پڑا۔
 بڑھیا۔ دسکراتے ہوئے لیکن جھڑک کر، خیردار پھر ایسی حرکت نہ کرنا
 خدا کی قسم تمہیں شہ جہتی کیا ہے۔ یہ بیٹھے بیٹھے خدا جانے کیا شیطان
 سوار ہو جاتا ہے کہ آپلے سے باہر ہوئے جاتے ہو۔

پیر مرد۔ اجی تو گناہ کیا ہے۔ حلال کا بوسہ ہے نہ حرام کا۔
 بڑھیا۔ تمہیں شرم بھی نہیں آتی۔ یہ کوئی سن ہے۔
 پیر مرد۔ ہم تو ہمیشہ کے جوان ہیں۔

بڑھیا۔ خیر تم سہی۔ لیکن میں تو نہیں ہوں۔
 پیر مرد۔ واللہ میری نظروں سے کوئی دیکھے۔ ییللی راہچہ تم مجھ کو بایں
 واللہ تم وہی نئی نویلی دلمن معلوم ہوتی ہو۔ اگر مجھ کو کہوں تو
 گویا ابا جان کی بڈیاں چباؤں۔

بڑھیا۔ اس زیادہ بناؤ نہیں بھلا وہ تو کہو کہ پوچھنا کیا چاہتے
 تھے۔

پیر مرد۔ خوب یاد دلایا۔ لیکن دیکھو پھر وہی کہو گنا کہ تم غصے میں نہ
 آ جانا۔

بڑھیا۔ میرا بھی وہی جواب ہے کہ تمہیں کچھ جنون ہو گیا ہے۔
ابھی بات زبان سے نکلی نہیں۔ پانی آنے سے پہلے باندھنا
اسی کو کہتے ہیں۔

پیر مرد۔ اچھا تو سنو۔ اب کہتا ہوں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ جسطرح
ہماری للچائی ہوئی نظر حسین اور نوجوان عورتوں پر پڑتی ہے تم
لوگوں کی بھی مردوں پر ضرور پڑتی ہوگی۔

راوی۔ اے سبحان اللہ۔ کیا عمدہ سوال کیا۔ جو بات کی خدا کی
قسم لا جواب کی۔

بڑھیا۔ غصہ سے اُف ہے تمہارے منہ پر۔ شرم نہ آئی۔ ایسی
باتیں پھر نہ کرنا۔

پیر مرد۔ کیوں میں نے کہا نہیں تھا۔ کہ تم خفا مند رہو گی۔
بڑھیا۔ تمہاری باتیں ہی ایسی بے سرو با ہیں کہ خواہ مخواہ غصہ
آ جائے۔ بھلا یہ تو کہو کہ اس وقت کیا مل تھا اس گفتگو کا۔

پیر مرد۔ یوں ہی جی چاہا۔

بڑھیا۔ کیا تمہیں اس عمر میں ایسی باتیں کرتے شرم نہیں آتی۔

پیر مرد - شرم کی کونسی بات ہے - مرد تو ساٹھا پاٹھا مشہور ہے -

بڑھیا - لو اب پھر تمہاری جوانی پلٹ کر آگئی -

پیر مرد - (ایک اور بوسہ لیکر) الحمد للہ -

بڑھیا - (بہت غصے کی صورت بنا کر) دیکھو میان میں بُرے طور

سے پیش آؤں گی - اور پھر کچھ آپ ہی آپ مسکرائیں -

پیر مرد - تم چاہے مارو - لیکن میں تو تم پر فدا ہوں - واسطہ میں تم کو جو

سمجھتا ہوں اسکی تم کو قدر نہیں -

بڑھیا - قربان جاؤں ایسی ظاہری محبت کے اسی لیے تو طغیانی

کے روز بازار یوں نے جوگپ اڑائی کہ پانی آگیا تو - بس مجھے تنہا چھوڑ

کر بھاگ کھڑے ہوئے -

پیر مرد - بھاگ کہاں گیا تھا - اُن گیدی نامرادوں کی خبر لینے گیا

تھا - اور پاؤں جو رپا دھم سے گر پڑا -

بڑھیا - اے ہے - خلا کی قسم میری جھوٹ گیا تھا - ایسے ہی

طور سے گرے تھے کہ بس میری جان میں جان نہ تھی -

پیر مرد - خوش تو ہوئی ہوگی کہ اچھا ہوا بلا ٹلی -

بڑھیا - (رونی صورت بنا کر) والدہ دیکھو میں اپنے آپ کو مار لوں گی۔
ایسی بات پھر نہ کہنا۔ تمہارے لیے ایسا سمجھتی تو پھر کسے دیکھ کر زندہ
رہتی۔

پیر مرد - اسلام میں نکاح ثانی تو جائز ہے۔
بڑھیا - اسلام ہے ایسے اسلام کو۔ ہمارے شہر میں ایسی بات زبان
سے نکالنا حرام ہے۔ بس اب رہنے دو خدا کی قسم میرے سر کی قسم
یہ گفتگو چھوڑ دو۔ اس قہقہے کو تو پورا کرو۔

پیر مرد - قہقہہ دلاؤ۔ لو اب سنو۔ ہاں سچ کہو کہ جو انون کو دیکھ کر جی ضرور
للیا تا ہوگا۔

بڑھیا - حسین شے ضرور اچھی معلوم ہوتی ہے۔

آنکھ اچھی چیز بر للیا ہے

لیکن اسکے ساتھ نیت کو بھی دیکھنا چاہیے۔ کہ کس نیت سے نظر
پڑی۔

پیر مرد - یہ کون کسی کے دل میں گھسکر دیکھ سکتا ہے۔

بڑھیا - کیا نیت نہیں معلوم ہو سکتی۔ ان کے چہرے سے

صاف باطن کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ چہرہ باطن کا آئینہ ہے۔ مگر یہ تو کہو کہ ہم بد سے مین رہنے والیوں کو نامحرمون کے نظارے کا موقع ہی کب ملتا ہے۔

پیر مرد۔ کیا تم آنکھیں سی کر بیٹھتی ہو۔ تماشے میل میں بھی کیا تم کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔

بڑھیا۔ بس بس۔ ایسی باتیں کام کی نہیں۔ یہ تو مثل ہے۔ اپنی مائی اور پرگنوائی۔ بلی کو خواب میں چھیچھرے نظر آتے ہیں۔ ہم شریف زادیاں ہیں۔ ہم سے کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

اتنے میں کسی نے ماما کو آواز دی۔ بوا شریفیہ۔ اوبوا شریفیہ۔

بڑھیا۔ شریفیہ۔ کوئی پکارتا ہے۔ پوچھو تو کیا ہے۔ بوا شریفیہ گئیں اور واپس آکر کہا کہ نواب کے یہاں کا آدمی ہے۔ نواب نے سیان کو بلوایا ہے۔ اور قسم دی ہے کہ جلد آئیں۔

پیر مرد۔ کیوں یہ اسوقت کیوں یاد ہوئی پوچھو تو سب خیریت سی ہیں۔ شریفیہ۔ پھر باکرہ واپس آئیں۔ اور کہا کہ آدمی کہتا ہے۔ سب خیریت ہے۔ شب کے دو بجے نواب کے گھر کا پید ا ہوا۔ آج

منجھلے صاحبزادے کی سالگرہ بھی ہے۔ محفل عیش تیار ہے۔ سب
 مہمان آگئے ہیں صرف آپ کی کسر ہے سب آپ کے منتظر ہیں۔
 پیر مرد۔ (اُچھل کر) کیا نواب کے گھر اور بیٹا ہوا واقعہ۔ اب تو پانچون
 گھی بین رہیں۔

بڑھیا۔ (اپنے خاوند کی طرف متوجہ ہو کر)۔ ہماری طرف سے بھی
 نواب سے دعا اور سلام کے بعد مبارک باد کہہ دینا۔
 پیر مرد۔ زمانے سے تمہاری بھی دعوت ضرور آئے گی۔
 بڑھیا۔ کیون نہیں۔ بڑی بیکم نواب کی بھوپھی ہم کو بہت چاہتی ہیں
 ضرور بلائیں گی۔ بہت قابل اور آشنا پرست بی بی ہیں۔
 پیر مرد۔ (شریفاً سے) آدمی سے جا کر کہو کہ میں ابھی پوشاک بدل کر
 آتا ہوں۔

نواب کے گھر خوشی کا جلب

این چه بزم است کہ لب بر لبام است اینجا
 بادہ خورشید و قنح ماہ تمام اسف اینجا

مغل عیش آمستہ ہے۔ مکان عمدہ عمدہ فرنیچر سے سجایا گیا ہے
 برقی روشنی اپنا حسن جدا دکھا رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صبح طلبہ
 کیمبر رہی ہے۔ نواب مع رفیق۔ اور حکیم۔ اور قلندر۔ اور جگتا نانا۔
 اور دوسرے مہمان ذی شان کے دُتر سے فارغ ہو کر ڈرائنگ
 روم میں آکر کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ لولیان شوخ آہنگ یمن کی
 دھن میں یہ غزل گا رہی ہیں۔

موجِ مالِ آئینہ زنا گشتہ ایم
 در تارِ موسیٰ یارِ گرفتِ گشتہ ایم

حاضرین نے اس مطلع کی داد دی۔ اور حسنِ بندش اور الفاظ کی
 چستی پر عیش عیش کرنے لگے۔ خصوصاً نواب قلندر کی طرف متوجہ
 ہو کر کیون استاد کیا بے مثل مطلع ہے۔ خدا جانے کس کا ہے۔
 قلندر۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاد کی غزل کا مطلع ہے۔
 نواب۔ واللہ بے مثل ہے۔ لا جواب ہے۔ سجان اند کیا کہنا۔
 قلندر۔ تصوف کا رنگ اُنکا حصہ ہے۔ جو اس رنگ میں یہ کہہ
 جائیں گے۔ وہاں دوسرے کا رنگ پھیکا رہے گا۔

اتنے میں غزل تہم ہوئی۔ اور مقطع رنڈی نے گایا۔

ایمان بکفر نڈو دیم زمین سبب

لے شادبت پرست پرستار گشتہ ایم

قلندر۔ کیون میں نہ کہتا تھا کہ حضرت شاد بہن۔ رنڈی کی طرح
مخاطب ہو کر ابھر کر

رنڈی نے پھر گایا۔

قلندر صاحب کو جو وجد آیا الا اللہ کہہ کر کرسی پر سے زمین

پر آ رہے۔

حاضرین مجلس۔ سنبھالنا۔ سنبھالنا۔ کہیں چوٹ نہ آجائے

رنڈیوں نے جو یگت دیکھی تال سرسب بھول گئیں۔ اور ایک

دوسرے پر گرتی ہوئی بھاگنے لگیں۔ سارا ٹھاٹھ درہم برہم

ہو گیا۔ ادھر جگت نانا کو بھی جو حال آیا تو بس الا اللہ کی صدا لگا۔

اور قلندر صاحب پر جا گرے۔ الہی خیر یک نشہ دہشہ راگ

کھڑاگ ہو گیا۔

رفیق۔ نانا کو سنبھالو۔ استاد پر ہی گر گئے۔ چوٹ بڑی آئی ہوگی۔

نواب - ضرور چوٹ آئی ہوگی۔ مگر بیچارے میں دم ہی کیا ہے
 ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا ہے۔ رگین گویا بین کے تار کی طرح
 نظر آتی ہیں۔ حضرت کا جسم خاصہ راگ مالا ہے۔

الفرغ دو چار منٹ کے بعد دونوں ہوش میں آئے اور اپنی
 اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھے مگر مستی باقی ہے۔

نواب - (پیر مرد سے) اجی تباہ کھین چوٹ تو نہیں آئی۔

پیر مرد - چوٹ کیا معنی۔ اپنی خبر بھی تو ہو۔

نواب - کیا اتنے ہی زود تھے۔

پیر مرد - تم تو نیچری ہو۔ تمہیں اس کا کیا مذاق۔

قلندر - پیر مرد کی طرف دیکھ کر (ارے میان چپ بھی رہو نیچری

تم کیون کہتے ہو۔ میں انہیں خوب جانتا ہوں۔ بڑے نرم دل ہیں

ایک وقت شاہ خاموش صاحب کی درگاہ میں انہیں بھی کیفیت

ہوئی تھی۔ اُس روز ان کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔

نواب نے خاں سامان سے کہا کہ رنڈیوں کو کہہ دو کہ اب جائیں

رنڈیوں کو کبھی ایسی حالت دیکھی نہ تھی۔ اب آنے میں ڈرتی تھیں۔

لیکن گوبشنو کشان کشان سب کو خاشا مان نے حاضر کیا۔

نواب۔ کیوں۔ کیا ڈر گئیں۔

ایک خدا کی قسم میرے تو ہوش اُڑ گئے۔ پہلے تو میں سمجھی کہ خدا

نہ کرے ہر گئی کا مرض ہو ہے۔

پیر مرد۔ نف نف۔ کیا کہتی ہے ذرا جو بچ سنبھال کر بات کر۔

رنڈی۔ اے تو پھر اور کیا سمجھتی۔ اچھے بھلے بیٹھے تھے دھم سے

زمین پر آ رہے اور ٹوٹا شروع کر دیا۔

پیر مرد۔ اسے حال کتنے ہیں۔

دوسری۔ اجی نانا تمہیں کیوں حال آیا تھا۔

تیسری۔ حال نہیں۔ نہ سو اس بندھے کے سر پر سوار ہو گیا تھا۔

پیر مرد۔ (سب کی طرف جھپٹ کر) خبر دار۔ ایک ایک کی خبر لوں گا۔

آنتین نکال دوں گا۔ نانا کے پکارتی ہے۔

ایک اور بولی۔ نانا مکو پکارتے ہیں۔

پیر مرد۔ میان کہتے شرم آتی ہے

دوسری۔ مزد شرم آتی ہے۔

قلندر (صوبہ دار کی طرف متوجہ ہو کر)۔ کیون میان صوبہ دار تم بھی
بڑھے ہو۔ آخر تمہیں بھی یہ سب مانا کہین گی۔

صوبہ دار۔ میں بوڑھا کیسے۔ کیا پچاس برس کی عمر میں مرد بوڑھا ہو جاتا
ہے اگر مجھے کہے تو میں کھٹ سے سر اڑا دوں۔

رفیق۔ واللہ صوبہ دار صاحب یہ بہادر می تو آپ ہی کے لیے سزا دار
ہے۔ کیون نہیں بڑے جیالے ہو۔ واللہ کیا کام کیا۔ کہہ نڈی کا سر
اڑا دیا۔

حکیم صاحب۔ جی ایسی ہی بہادری پر تو یہ صوبہ دار ہو سکے۔ اور
نوج میں عزت پائی۔

صوبہ دار۔ پھر کیا۔ سپاہی سے کوئی ہلے ادبی کرے تو سپاہی سے چپ
رہا جاتا ہے۔

نواب۔ بس بھئی باتیں ہو چکیں۔ ذرا جی بھر کر گانا تو سن لو حاضرین
گانے کی طرف متوجہ ہو سکے۔ اور پھر گانا شروع ہوا۔ نواب نے
خانسان سے کہا کہ پگ لاؤ۔ ساتی میج جام و مرامی حاضر ہوا۔ نواب نے
سب کی تواضع کی۔

قلندر شاہ اور حکیم صاحب - ان دونوں نے معافی چاہی باقی سب نے
نوش جان کی -

پیر مرو - دو چار پیگ مین غین ہو گئے -

ٹھیک ۱۲ بجے شب کے جلسہ برخاست ہوا -

شاہ راہ پر ایک فلک کے تارے کی زبانی کہانی

یک دل خیل آرزو دل بکہ تدبیر انہم
تن مہد داغ داغ شد منہ کجا کب انہم

استاد - انسان بھی عجب غلطات کا شکار ہے - بد شعور کے بعد

اسکی عمر اخیر دم تک لاکھوں آنسوؤں کی کش مکش میں گزرتی ہے - اور

اسکی وجہ یہی ہے کہ انسان جب اپنی کسی امید کی پروی میں ہر طرف

ہمک دوکر کے تھک جاتا ہے اور مایوسی کا ابرائے دل پر چھایا

ہے تو نادک فکر سے زخمی ہو کر پیچین ہو جاتا ہے اور ہزاروں آئین

اور تمنائیں اُمنڈ اُمنڈ کر ہر طرف سے دہا داکرتی ہیں۔ ایسی حالت
 میں انسان دریا سے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی سمجھ
 میں کچھ نہیں آتا کہ کس آنرز کو ترجیح دے۔ اور کون سی امید کے
 ساتھ وابستہ ہو جائے۔ کسکی پیاری صورت سے نظر کو پھیر لے
 اور کس بُجھانے والی چلبلی تصویر کو مرکزِ نظارہ بنائے۔ کسکی محشرِ بیا
 کرنے والی رفتار پر دل و جان کو صدقے کرے۔ جستجو کرے تو
 کسکی اور کونسا انمول ہیرا ڈھونڈ کر نکالے۔ بہر حال ایک آئینہ
 حیرت آنکھوں کا پردہ بن جاتا ہے اور عقل و حواس بھی دامنِ نظارہ
 سے وابستہ ہو کر ایک رنج۔ ایک قلاب بن جاتے ہیں۔ اس کی
 لذت اُسی کے دل سے پوچھتے جو اس منظر کا ولدادہ ہو۔ یا اس کا
 نشانہ بنا ہو۔ لیکن یہ ساری آفتیں جو ہمارے سر ٹپ جاتی ہیں اُس کی
 وجہ صرف ہماری نا فہمی اور بے دست و پائی ہے۔ اس لیے کہ ہماری
 زندگی زمانے کی زیر نگینوں کے ساتھ اس طرح الجھی ہوئی ہے جیسے
 دامنِ خمار کے ساتھ۔ یا نظر آئینہ کے ساتھ۔ دنیا کی ہزار دلچسپیوں
 اور بے شمار دلہنگیوں سے ہر وقت مقابلہ ہوتا ہے۔ اور ہر ایک

نیزنگی، ہکو محیرت بنا دیتی ہے کہ تیز باقی نہیں رہتی۔ جہان کوئی اچھی
 صورت نظر آئی۔ اور آنکھ لڑی۔ ابھی اُس جادو بھرے حُسن و نفوذ
 سے جسکے باعث دید بازی کا لپکا پیدا ہوا ہماری نظر ہٹی نہیں تھی کہ
 دوسری چیز پر فریفتہ ہو گئی۔ اور یہ فریفتگی کچھ ایسی گلے کا ہارنگائی
 کہ اس سے دامن چھڑانا مشکل ہے۔ ایسی ہی ہزاروں بلکہ بے شمار
 نیزنگیاں جہان اور لذاتِ دنیوی کی ہین کہ وہ انسان کے لیے عیش
 مسرت ہی نہیں بلکہ سوہانِ روح ہین۔ اور یہ لگاتار سلسلہ ہماری زندگی
 تک ہے۔ امیر فقیر شاہ و گدا۔ عورت اور مرد سب اسی مرض میں مبتلا
 ہین۔ کوئی اس سے بچا نہیں۔ اور نہ اس سے بچے گا۔ دُور کیوں جائے
 آپ ہی اپنی جوانی کے موسم کو یاد کیجیے۔ کسی وقت ضرور کسی مہوش
 سے عشقِ بازی کا اتفاق ہوا ہو گا۔ اُس وقت آپ پر کیا گزری۔ پہلے
 تو نظر شوق نے آپ کو کسی کے حُسن و نفیر کا جلوہ دکھایا۔ لیکن
 باے سے بنقراری اور نگاہ کی تلون مزاجی کہ ابھی پوری نظر نہیں
 پڑی تھی کہ کسی چیز نے شرمادیا۔ اور نظر عروسِ نہ کی گردن کی طرح نیچی
 ہو گئی اور آپ کو خبر بھی نہیں کہ دیکھنے پر آمادہ کیا تو کس نے اور وہ

کو کسی چیز تھی کہ جس نے شر مایا ابھی کیا ہے اس شخص سے نجات
 نہیں ملی تھی کہ شوق کے اقتضائے پھر ابھارا۔ اب وہ اچھلتی نظر
 لب جان بخش تک بھونکی۔ اور بمصداق۔

کہ خضر از آب حیوان تشنمی آرد سکنڈا

دیکھتے ہی دیکھتے وہ نگاہ پھری۔ اور رخصت یار کے آئینہ خانہ میں پہونچی
 حیرت کی کشمکش نے ایک ایسی ٹکڑی کہ وہاں سے پھسل کر کسی کے
 اٹھتے جو بن سے ٹکرائی۔ ان سرکشوں کی دور باش اور ادب کی
 صدا نے ہمت کو کسی قدر پست کر دیا تھا لہذا نے والی صورت اور
 سحر آفرین تر چھی نظر نے تو بس سہل ہی کر دیا۔ اُس کی ہر ایک اور آپٹو
 لیے تیج ستم تھی۔ اُس کی جفائیں آپ کے واسطے راحتِ جان ہیں
 اُس کے دشنام آپ کے حق میں دعائیں بن گئے۔ اُس کی جھڑکیاں
 آپ کے پریشان دل کے لیے باعث تسکین ہوئیں۔ اُس کا انکار
 اقرار کا مزہ دینے لگا اُسکی ہوشربا نظر آپ کے لیے ستارہ ٹھہری۔
 آنکھوں کی تیلیوں کا پھرنا آپ کی محفل کے واسطے گردشِ پیادہ بنا
 اُسکی رفتار پر آپ سر سے قربان ہونے لگے۔ اور وہ نازک خامی

قیامت فزائی کے ساتھ منسوب ہونے لگی۔ اُس کی ٹھوکر مسیحا بن گئی ایک آپ ہی جی نہیں اُٹھے لاکھوں مردے اُس کی ٹھوکر سے جی گئے۔ عیسیٰ کو بھی رشک ہونے لگا کہ یہ مسیحائی انھیں بھی نصیب نہ ہوئی۔ اُسکا تبسم آپ کے حق میں کمیاب بن گیا۔ اُس کا غصہ آپ کے واسطے مرگِ مفاجات۔ اُس کا نامہ آپ کے واسطے الہام بلکہ مقدر کا جواب ہوا۔ اس کے وصل نے آپ کے دل کو معراج کا رتبہ بخشا۔

جاسے غور ہے کہ صرف یہ ایک آرزو تھی کہ جس کے ساتھ ہزار دن آرزوؤں نے جہم کر کے الجھن پیدا کر دی۔ مگر آپ کی عقل کو کچھ ایسی دیک چاٹ گئی کہ آپ اس خیل آرزو میں سے کسی ایک کو بھی اپنا نہ بنا سکے۔ اور نہ آپ میں اس قدر حساس باقی تھے کہ اپنے جسم اور بُرے کا امتیاز کر سکتے۔ بلکہ اُلٹے لینے کے دینے پڑے۔ آپ ان مختلف سحر آمیز یون کے دام میں ایسے پھنسنے لگے کہ مجبوظ الخوا اس ہو گئے جس کا خمیازہ یہ اٹھانا پڑا کہ کبھی تو آپ آپ سے باہر ہو کر دیوانی کی طرح درود یوار کو گھور رہے ہیں۔ اور اپنی خیالی تصویر سے باتیں کرنے میں مصروف ہیں کبھی آپ کا جی چاہتا ہے کہ زور ندر سے قہقہے

لکائین۔ اور باغ کے گل و بلبل کو نیچا دکھائیں اور کبھی آپ نے
 زار قطار رو کر ابر کو بھی شرمادیا۔ کبھی تو آپ کا جی چاہتا ہے کہ کو
 یار میں دھونی رما کر بیٹھیں۔ اور کبھی خیال آتا ہے کہ نہیں دشت نور کی
 سے تلوون کو چھالون کا زیور پہنائیں۔ کبھی بیب و دامان کی دھمیان
 اڑائی جاتی ہیں۔ اور کبھی خاک کو سے یاد سر پر ڈالنے کی فکر ہوتی ہے
 کبھی ننگ و ناسوس کا خیال آتا ہے اور کبھی ستانہ وار جھوم جھوم کے
 یہ کہتے ہیں۔

گر پہ بدنامی سست نزدِ عافلان
 ماننی خواہیم ننگ و نام را

اس ابتداے جوانی کے ستم سے بچکر اگر تقدیر سے نکل گئے تو اور بھی
 جان کے لالے پڑے۔ پہلی بسمِ شادی ہوئی۔ اور خانہ داری کا
 طوق گلے میں پڑا۔ عیال و اطفال کی پرورش کی فکر کسی پہلو چین
 نہیں لینے دیتی۔ فکرِ معاش کا سودا جدا سر پر سوار۔ حکومت کا کمربند
 الگ کس دیا گیا۔ فکرِ معاش۔ خوفِ معاد۔ دوست دشمن کے ساتھ
 برتاؤ۔ اخلاق کی ذمہ داری۔ ادب کا لحاظ۔ علم کا شوق۔ ترقی طلب

کی ہوس۔ ان سب پر طرہ اصل کا کھٹکا۔ بتائیے تو ان بھی
 کیا طلسمات کا پتلا ہے کہ اتنے منجھیلوں کے قید خانوں میں پھنسا
 جاتا ہے۔ اور ان کی آفتوں کو جھیلتا ہے مگر آرزو ایک نہ ایک
 باقی کیا ان آفات سے پیچھا چھڑا کر نجات حاصل کرنے کی کچھ
 بھی اُسکو پروا ہوتی ہے۔ بجز اچھ بھی نہیں۔ ان راستوں کو طے
 کرنے کے لیے کیا عقل کو اپنا رہبر بناتا ہے ہرگز نہیں۔ بہر حال
 دنیا کا کمٹر گرتے دم تک جدا نہیں ہوتا۔ باوجود ان مصائب
 اور آفتوں کے جب کبھی کوئی دل لُبھانے والی اور فریفتہ کرنے
 والی صورت نظر آجاتی ہے بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اُسکو آغوش
 محبت میں لیکر کلیجے کا ٹکڑا بنا لیں۔ اور بہت حفاظت سے رکھیں
 ایسا نہ کہ کوئی اُسکو اڑا لیجائے۔ جس قدر انسان کے لیے دنیا کی فکر اور
 ہوس زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اُسکی زندگی اُسی قدر اُسکو اجیرن ہوتی
 ہے مگر اے دنیا کے تعلقات کو دل سے دور کرنے والو۔ اور اے
 خداے وحدہ لا شریک کی محبت کا دم بھرنے والو۔ تم اچھے ہو جس
 حال میں ہو۔ نہ تمہیں فکر روزگار۔ اور نہ خوف آخرت۔ نہ بادشاہ کی

عنایتوں کی امید نہ اُسکے غضب کا خوف نہ حکومت کی خواہش۔
 نہ دولت کی تمنا۔ نہ خانہ داری کی قید۔ نہ مذہب کی زنجیر کے بندی۔
 نہ شہوت تمہین ستاتی ہے۔ اور نہ لعصب تمہین تنگدل بناتا ہے۔ بس
 ایک آرزو ہے۔ اور وہ اُسی کی جستجو۔ اُسکی دید۔ اُسی کے کلام کی شنید
 سے وابستہ۔ اور یہ مبارک آرزو رفتہ رفتہ دنیا و مافیہا کو بھلا کر اس
 منزل پر پہنچا دیتی ہے کہ

نہ تو نور نہ تو مین رہا جو رہی سو بخیر ہی ہی
 خدا اس نعمت سے ہم کو بھی سرفراز کرے۔ ہم بھی اُسکی بارگاہ میں امیدوار
 و فضل و کرم ہین۔

نواب کے گھر قلندر اور اُنکے شاگرد کی گفتگو

نذیر۔ اُستاد یہ تو فرمائیے کہ آپ ہر وقت یہ تاکید فرماتے ہیں کہ لعصب
 نہ رکھو۔ اسکو دل سے اسطرح دُور کر دو۔ جیسے غبار آٹنے سے۔ لیکن
 سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر لعصب نہ رہے تو انسان اپنے مذہب پر کس طرح
 قائم رہ سکتا ہے۔ اور اُسکی قدر و منزلت کیونکر کر سکتا ہے۔

قلندر۔ مرجبا۔ کیا بات کہی کہ تعصب سے مذہب کی قدر و منزلت ہوتی ہے اور اُسی کی بدولت انسان مذہب کی بنیاد پر قائم رہ سکتا ہے۔ لاجول دلاؤ یہ کس مردک نے کہا۔ اسے میان تعصب ہی کی بدولت تو مذہبوں میں فتنے پڑے۔ اور سربراہِ اودہ اقوام کے سر جھکے۔ متعصب کبھی دنیا میں نہ غزیرا۔ اور نہ وہ آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے۔ خاک پڑے اس تعصب پر۔ ہمارے پیر و مرشد مولانا غوث علی شاہ قادری کا قول تھا کہ میان تعصب کے جو گردیدہ ہیں وہ کبھی معرفت کی منزل کو پہنچ نہیں سکتے۔ اور کبھی دیدارِ الہی کی نعمتِ عظمیٰ سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ من کان فی ہذہ اعمیٰ فہو فی الآخرۃ اعمیٰ کے مصداق بن جائیں۔

مذہب۔ استاد۔ لوگ معرفت معرفت کہتے ہیں۔ اب اس سے بڑھ کر کیا معرفت ہوگی۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا اور دل سے اس کا اقرار بھی کر لیا۔

سید و شخص
کی میں رہا
ہو نہ ہو نہ ہو
میں بھی خدا
سے

قلندر۔ کیا فقط لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے سے معرفت حاصل ہو گئی۔ اللہ اللہ کرو اگر ایسا ہیں سے تو دنیا میں حقیقت

سے حقیر چیز بھی نور معرفت سے خالی نہیں۔ یہاں تک کہ ذرّہ بمقدار بھی اپنے خالق کے ذکر سے غافل نہیں رہتا۔ اگر معرفت ایسی ہی سستی چیز ہوتی تو پھر کیا تھا۔ سب عارف نہ ہو جاتے۔

نذیر۔ بھلا کچھ فرمائیے بھی تو کہ معرفت کیا چیز ہے۔

قلندر۔ معرفت دو قسم کی ہے۔ ایک علمی۔ اور ایک عملی۔ علمی کا بتانا تو ایک حد تک ممکن ہے۔ رہی علمی۔ اسکو حاصل کرنا تمہاری محنت پر ہوتی ہے۔ کان دھ کر سُنو۔

معرفت الہی کی دو قسمیں ہیں اول معرفت وادراک کُنہ بیچون مرتبہ تنزیہ میں۔ یعنی بلا اعتبار اسما و صفات و مظاہر سکی ذات کا ظہور مراتب صور اکوان یہ ممنوع اور محال ہے۔

عقائد شکار کس نہ شود دام باز چین

کرم اور رافت ربوبیت او تعالیٰ شانہ اس جگہ تھذیر کی مقتضی ہوئی۔ اور یہ تعلیم فرمائی کہ وَیُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرُؤُوفٌ الرَّحِيمُ غوامض کج معانی کے لالی انفاس جب باطن سے ظہور میں آئے ہیں تو اُن کے لیے یہ مفرح اعظم کا نسخہ ہے۔ اور جب ظہور

اور ان کے
مخبر خود اللہ
تعالیٰ کے ساتھ
لوگوں پر مہربان
اصغر مالاکوتہ

سے باطن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو مدحیات سے چنانچہ ایسی کو
 سعدی نے گلستان کو دیباچہ میں لکھا ہے: "بہر نفسے کہ فرد میر و مدح حیا
 و چون برمی آید مفرح ذات" لیکن اس کا نتیجہ بجز یاس و حسرت اساس
 کے اور کچھ بھی نہیں۔ اس آئیہ کریمہ میں ایک نکتہ باریک اور ستر دقیق ہے
 جسے سمجھا اُس نے پایا۔

تذریہ۔ یہ نخل کس کام کا۔ پھر کہہ دو ناکہ وہ سے کیا۔
 قلندر کیا باز کا سودا ہو گیا اور عام محفل میں کپڑے اُتار کر برہنہ ہو جائیگا
 انشا اللہ جب تم اس میدان میں آؤ گے اُس وقت کہیں گے۔
 نواب۔ کیا استاد۔ ہم سے بھی پوشیدہ۔

قلندر۔ کسے باشندان میان یہ یاد رہے کہ ہزاروں غوطہ زن حصول
 گوہر مقصود کے لیے غواصی کرتے ہیں۔ مگر سب کو انمول موتی نہیں ملتا
 جو کوئی ایسا ہی خوش نصیب ہوتا ہے اُس کو مل جاتا ہے۔

تذریہ۔ اچھا فرمائیے۔ دوسری قسم کیا ہے۔
 قلندر۔ دوسری قسم معرفت حق تعالیٰ شانہ کی۔ باعتبار اسما و صفات
 و منزل و تلبس ذات بمظاہر کائنات۔ یہ معرفت فی الواقع ممکن ہے۔

اگر یہ حاصل نہ ہو تو پھر اسی کا مصداق ہو گا مَن کان فی ہذا اعمیٰ فہو
فی الآخرۃ اعمیٰ - چنانچہ شیخ اکبر فصوص میں فرماتے ہیں - فلا تنظر
الی الحق وتعرفہ عن الخلق - یعنی ذات الہی کو لباس خلق سے پہننے
یعنی جہانہ دیکھ -

ولا تنظر الی الخلق وتکسوه سوی الحق اور ہرگز خلق کو ذات
سے جہانہ دیکھ تا وقتیکہ تو حق کا لباس خلق کو نہ پہنا لے -

اس سے اشارہ ہے کہ خلق سے حق کو کسی طرح غیر نہ سمجھ -
رفیق - اُستاد سبحان اللہ شیخ نے کیا خوب لکھا ہے - قلم توڑ دیے
واللہ قلم توڑ دیے -

قلندر - میان کیا پہچنتے ہو اس سمند معرفت کا پیر اک شیخ سے
بڑھ کر متاخرین میں اور کوئی نہیں گزرا - مختصر یہ ہے کہ وعدت کو کثرت
میں اور کثرت کو وعدت میں دیکھنا چاہیے - لیکن کس طرح دیکھنا
چاہیے - یہ راز ہے - فافہم

خلق بظاہر صورت ہے اُس ذات کبریا کی - اور حق باطن ہے
خلق کا جب طرح کہ تخم لباس ہے و رفت کا - اور و رفت صورت ہی تخم

۱۔ چنانچہ
۲۔ میں نے اس
۳۔ وافت میں
۴۔ جیسا کہ
۵۔ میں نے
۶۔ تو حق کو
۷۔ وراختہ
۸۔ جیسا کہ
۹۔ حق سے
۱۰۔ اور نہ دیکھتا
۱۱۔ خلق کا
۱۲۔ وراختہ
۱۳۔ پیرا کی
۱۴۔ سو حق سے

کی ”سبحان اللہ مجہدہ۔ لوٹنے کا مقام ہے۔ اور اسی کے لیے
 شئت شیء بِصُورَةٍ کہا گیا ہے۔ یعنی کوئی ظاہر بغیر باطن کے اور
 کوئی باطن بغیر صورت کے۔ اور معنی بغیر لفظ کے اور کوئی لفظ بغیر
 معنی کے نہیں ہے اور نہ ہوگا۔

اب اس کے لیے بھی سمجھ دو قسم کی چاہیے۔

نذیر۔ اللہ اکبر۔ ابھی تصفیہ ہی نہیں ہوا۔

قلندر۔ کیا کوئی قضیہ ہے کہ تصفیہ ہو جائے۔ غور سے سُنو ایک
 بسیط۔ دوسرا مرکب۔

بسیط کسی چیز کو جاننا اور اُس کے ساتھ ہی یہ بھی جانتا کہ وہ اسکو
 جانتا ہے۔

صفتِ اول۔ حیوانات وغیرہ کے لیے ہے کہ جزئیات کو جانتو
 ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ وہ انہیں جانتے ہیں۔ اور کیا جانتے ہیں
 سبحان اللہ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

چندین ہزار ذرہ سر اسیمہ سپید وند

در آفتاب غافل از پر کافق جلیت

اس موقع پر ایک ظریف قطعہ بھی قلمبند کرتے ہیں۔ جو دلچسپی سے
خالی نہیں

ہر کس کہ بداند و بداند کہ نداند
اسپ طلب از گنبد گردون بماند
نذیر۔ کیا اس قسم کے لوگ اب بھی ہیں۔
قلندر شاذ۔

و آنکس کہ بداند و بداند کہ بداند
او نیز خرویش بمنزل برساند
راوی۔ اسکے مصداق حضرت شاذ ہیں خدا سے امید ہے کہ بمنزل
برسد ان شاء اللہ۔

و آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالہمہ بماند
اسد پھر میں تو ساری خدائی ہے۔ لیکن دعویٰ ہے کہ ہم بھی کچھ
ہیں۔ اللہ۔ اللہ۔

شیخ اکبر پھر یہ فرماتے ہیں کہ تَزَهَّ وَ سَتَبَّهْ وَ قُمْ فِي مَقْعَدِ الصِّلَةِ

اے میرے شیخ
تسکو اور تبت
تسکو اور تبت
تسکو اور تبت
تسکو اور تبت

یعنی ذاتِ باری سبحانہ تعالیٰ شانہ کو درمکان و زمان قیام صورت او
عکس سب سے منزہ یقین کر۔ کیونکہ وہ غنی ہے۔ اور مرتبہ احدیت
میں اُسکے لیے تجرہ ہے۔ البتہ مشبہ اسکی ذات پاک مرتبہ اسما
وصفات میں ہے کہ مرتبہ واحدیت ہے۔ اور اس جگہ اس کا ظہور
مظاہر کو نبیہ میں۔ لیکن اسی پر اکتفا نہ کر بلکہ قائم اور مستقل ہو جا۔ مقام
جمع پر یعنی تنزیہ اور تشبیہ کو یکجا جمع کر اور یہی مقام صدق ہے۔

صرف تنزیہ محض تکذیب ہے مقام تشبیہ کے لیے۔ اور تشبیہ
محض غلط ہے مقام تنزیہ کے لیے۔ مقام صدق جاے امن ہے
اور یہی ایمان ہے۔ صوفیوں کا۔ جو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔
پھر اُس کے لیے کہان کا تعصب۔ اور کہان کی جنگ نہ تھا و دولت
چنانچہ شیخ فرماتے ہیں

وَلَكِنْ فِي الْجَمْعِ اِنْ شَيْئَتْ اِنْ شَيْئَتْ الْفَرْقِ - یعنی جبکہ تو قادر ہو
شہود کثرت و وحدت اور وحدت و کثرت پر تو پھر تجھے اختیار ہے
کہ مقام جمع میں تنزیہ کو دیکھے یا تشبیہ کو۔ اور مآذ آیت سفیثا
الَا وَرَأَيْتَ اللّٰهَ كَاغْرَہٗ مَار۔ اسی شراب کی مستی نے منصوص کے منہ

لے کر ہو۔ اور یہی
واقعہ کے مرتبہ
میں اگر چاہے
قائم ہو تو فرق
سے مرستہ میں
المراد ہے۔ ۱۲
میں دم کی موت
کی شے ہو
المراد ہے۔

سے نکالا۔ وَلَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَ
الْوُوبُ إِلَيْهِ۔

ہر مرتبہ از وجود کے دارد

گر حفظ مراتب کنی زندیقی

نواب۔ اور نذیر اور رفیق داندا ستاؤ خ کنجی رکھ لی۔

بیخوف کیا مگر پھر ایک تازیانہ لگا کر ڈرا دیا۔ کہ

گر حفظ مراتب کنی زندیقی

قلندر۔ بابا۔ بہت مشکل راستہ ہے۔ خدا نوفیق ہے۔ اور اپنا فضل

کرے تو بیڑا پار ہے۔ باقی پھر کسی وقت

من مراد خویش اندر نامرادی یافتم

ماریوسی کا عالم بھی عجب بھیا نک ہوتا ہے جب انسان تدبیر سے عاجز

آ جاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اب کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتی

اور اُسکی سمجھ پر پریشانی کا پردہ پڑ جاتا ہے اور بحالت اضطراب اپنی

غفل کو راہبر بنا کر اُس سے مفید مشورہ لے نہیں سکتا تو اس وقت

لاہور میں
ہجرت ہجرت
جوہر اس جوہر
نہیں جوہر
سید ملکین میں
خدا سے منفعت
چاہتا اور کسی
کے لئے تجویز ہون

سرگرم بیان ہو کر دریا سے فکر میں غواصی کرتا ہے۔ مگر نامراد کی کا
 خدا بھلا کرے کہ اس غواصی میں بھی اُس کو بجز حسرت و یاس کے
 کوئی گواہر امید ہاتھ نہیں آتا۔ اس پریشان حالی میں جیسی گزرتی
 ہے اُس کا حال وہی جانے جس نے اس ناامیدی کی منحوس
 صورت دیکھی ہو یا جسکو اس سے سابقہ پڑا ہو۔ جو شخص اس ناامیدی
 کے دام میں آ جاتا ہے وہ از خود رفتہ ہو کر پست بہت ہو جاتا ہے۔
 اُسکی عالی حوصلگی و دانشمندی اور دور اندیشی پر اس کا کچھ ایسا جادو
 چل جاتا ہے کہ ہر وقت فکر اور حرمان کا جن اُسکے سر پر سوار رہتا ہے۔
 لیکن وہ لوگ جو اس میدان کو سر کر چکے اور اس راستہ کی ٹھوکرین کھا کر
 سنبھل گئے ہیں اور جو اسی مدرسے کے امتحان میں پاس ہو چکے
 وہ کبھی بہت نہیں ہارتے۔ براین ہم اُن کے افسردہ اور پژمرده
 دلون کو جو مایوسی کی ہوا سے غنچوں کی طرح مڑھ جائے ہیں۔ کلیجے پر
 کوئی ہاتھ رکھ دینے والا علیاً تو سمجھو کہ جان میں جان آئی اور اُنکے
 حق میں مسیحائی ہو گئی۔ مرتے مرتے جی اٹھے یا یہ کہو کہ غائب غفلت
 سے بیدار ہو گئے دل بیتاب کی گتھیاں اسی وقت سلجھ جاتی ہیں۔

جوان الجھنوں کے قید خانے سے دامن بچا کر نکل آیا۔ کوئی نہ کوئی
تدبیر اُسکے بخت کی یادری سے نکل آتی ہے۔ اگرچہ مایوسی کی رگ زنی
ایسی ہے کہ اُس سے جان برہونا ہو نیوالی بات نہیں۔ کوئی ایسا جراح
بل ہی جاتا ہے کہ اُسکے کاری زخم پر مرہم لگا کر اندال کی فکر میں ہمہ
مصروف ہو جائے۔ اور یہ تدبیر بارہا تیر بھٹ ثابت ہوئی ہے ورنہ
ہر شخص اپنے مصروف واران کو دل کا توشہ بنا کر اپنے ساتھ لے جاتا
ہے اور اُسکے باعث ہزاروں آرزوؤں کا خون ہوتا ہے۔ لیکن
یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وِیَحْکُمُ مَا یَرِیدُ اس لیے انسان کو مایوسی کو
نامبارک وقت کو بلند ہمتی کے ساتھ گزارنا چاہیے۔ غرض ہمارا
مقصود اس طول طویل متمہ سے یہی ہے کہ ہمارے ہیر و لہو اب
کا فرزند (میان نصیر) راج دھارا نازون کا پالا۔ جو اللہ کر کے ابھی
ابھی اُٹھتی جوانی اور گلشن اسید کی نئی کوئل یعنی شباب کی مسند
پر جلوہ فگن ہوا ہے۔ ناویدہ کسی کے حسن و لہریب کے نادک کا
نشانہ ہوا چاہتا ہے۔ اسکو ہم وہ شانہ طور سے مشورہ دیتے ہیں کہ بصدقہ
لے کر جہ کرنا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے۔

ہمت بلند دار کہ نزد خدا مسلک

تا امید نہ ہونا چاہیے۔ تدبیر دن کے خرطون سے کوئی خزانہ دل و دماغ خالی نہیں۔ اگر انسان حتی الامکان اسکو اپنے جان اور آبرو کی زکوٰۃ سمجھ کر تصرف میں لائے اور خدا پر بھروسہ کرے تو انشا اللہ بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

اس ہونہار نوجوان کے پاس استقلال کو مرکز سے نفرت نہیں ہوئی۔ اور نہ اُس نے اپنے آپ کو بے بسی کے ہاتھ فروخت کیا۔ بلکہ اُس نے نہایت دانشمندی اور دور اندیشی سے اپنے حال مشکل میں سہولت کی راہ نکالی۔ یعنی یہ تدبیر سوچی کہ جگت نانا۔ جوان کے والد اور ہمارے ناول کے ہمیر و کے دوست اور ادا شناس گرگ باران دیدہ ہین اور باتون کے طوطے سینا بنا کر اڑانا اُنکے نزدیک ایک ادنیٰ سی بات ہے اُن کو اپنے جل مشکل کا دیکھ بنا کر اپنے والد نواب ذیشان کے پاس عرض حال کی غرض سے بھیجیں۔ جگت نانا اس پُر فضا باغ میں بہ ہزار خرابی مانپتے کا نپتے دن سے پہنچ ہی گئے۔

میان نصیر چاشت سے فارغ ہو کر۔ قلیان کا دم لگا رہے تھے۔
کہ خانشان نے حاضر ہو کر عرض کیا ”جگت نانا حاضر ہیں“

نصیر۔ (خانشان سے) سیدھے اُن کو بالاخانی پر لے جاؤ میں بھی
آتا ہوں۔ خانشان نے بڑھے نانا کو بالاخانی پر لیجا کر بٹھلایا۔

میان نصیر۔ تھوڑے عرصہ میں حقیر کے دم لگا کر۔ بالاخانی کے مطلع
پر آفتاب نصف النہار کی طرح جلوہ افروز ہوئے۔

پیر عمر و۔ (یعنی جگت نانا۔ میان نصیر کی طرف مخاطب ہو کر) خدا متعالے
تمہاری عمر دراز کرے شاد بامداد ہو یہ تو فرمائیے کہ آج غیر معمولی طور پر
کیون اسوقت یاد فرمایا۔

میان نصیر نے بلحاظ اس کے کہ یہ پیر مرد سن میں بوڑھا اور ان کے
باپ کا آشنا ہونے کے باعث قابل تعظیم تھا۔ خندہ پیشانی سے
کہا کہ ”نانا سلام ہے۔“

پیر مرد عمرت دراز باد۔ میان خدا تمہیں دیر گاہ با حشمت و اقبال قائم
رکھے اور سعادت مند کرے۔

باز تو بر خوریم تو از عمر بر خوری

نصیر۔ کیوں کہیے۔ مزاج شریف۔

نانا۔ مزاج کی کیا پوچھتے ہو۔ بیوقت جو تم نے یاد کیا۔ اور تمہارا خدمتی خدا اُس کا بھلا کرے۔ ایسا شیر دل ہو گیا۔ جیسے کسی غونی یا چور کے لیے سزا دل ہوتا ہے۔ والد میرے تو ہوش اڑ گئے وہاں سے کلیجہ رگھیا۔ ہزار اس کمبخت گید دی سے پوچھتا ہوں کہ خیریت تو ہے کیوں یاد ہوئی۔ ظالم نہ ایک کہتا ہے نہ دو۔

نصیر۔ افسوس ہے کہ اُس نے آپ کو ناحق پریشان کیا۔
نانا۔ پریشانی کی ایک ہی کہی۔ مارے گھبراہٹ کے مین نے افیون بھی نہیں کھائی (جما ہی لیکر) لاجول ولاقوۃ یاد کے ساتھ ہی یہ چٹیا کیم سوار ہو جاتی ہے۔

نصیر۔ آپ فارغ ہو کر کیوں نہیں آئے۔
نانا۔ اس مردک نے اتنی مہلت کب دی کہ مین افیون کھا کر اور شہتہ کر کے سہوت سے آتا۔ اتنا رہ گیا کہ ٹانگ پکڑ کر باندھ کر گھسیٹا سہوانہ نہ لایا۔

نصیر۔ بھلا اس کی مجال ہے۔

نانا۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے تم قدر دان ہو مگر ان بیہودہ کو اتنا خیال
کہان۔

فلکیہ کس بقدر بہت دوست

لیکن فرمائیے کہ ایسی کونسی بات ضروری تھی جو اس عجلت کے ساتھ
یاد فرمائی ہوئی۔

نصیر۔ عرض کرتا ہوں آپ فارغ تو ہو جائیے۔

پیر مرد۔ ایک حلیہ چھری میں گئے اور جیب سے افیون کی ڈبیا
نکال کر افیون کھائی اور دو چار تر نوالے اڑا کر حقے کے کش لیے۔

اور خانسان سے کہا کہ میان نصیر سے کہو کہ ما بدولت و اقبال اب
مستعد ہو گئے ہیں۔ جہان چاہیے وہاں روانہ کیجیے۔ اگر کوئی مہم پیش
ہے تو بسم اللہ۔ ابھی جاؤں اور اپنی دلاوری کے جوہر دکھاؤں۔
سو چھون پر تاؤ دیکر انشا اللہ۔

میان نصیر سے خانسان نے عرض کیا کہ نانا ناشتے سے فارغ
ہو چکے ہیں۔

میان نصیر بلاؤ۔ پھر دیکر کیا ہے۔

خان لمان نانا کو بلا لایا۔

پیر مرد۔ (میان نصیر سے) میان اللہ تمہارا بھلا کرے۔ چٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو جائے۔ نور نظر کو جلد گو دون کھلاؤ۔ اور میں اسی طرح تر نوالے اڑاؤں۔ اور منہ مانگی مراد پاؤں اور جوڑے لون۔ جلسے دیکھو۔ مبلغ علیہ السلام کے خریٹے گھر کو پڑھیا کے پاس روانہ کروں۔

میان نصیر (ایک آہ سر د بھر کر) دیکھیے تقدیر کیا رنگ دکھاتی ہے۔ پیر مرد۔ یہ آہ سر د کیسی۔ اور تقدیر کی بات ہی کیا ہے۔ بنی بنائی بات ہے۔ منگنی کی رسم تو ذلیقہ مین ہونیوالی ہے۔ اور ذی حجبہ میں شادی نصیر۔ یہ سب کچھ مگر کس سے۔

پیر مرد۔ کس سے کیا۔ کیا تمہیں خبر نہیں۔ وہی نامہارے دُور کے رشتے کی پھپھی بہن۔ نصیر۔ خدا کرے۔

پیر مرد۔ (تجب کی نظر سے دیکھ کر) آئین یہ کیا ہے۔ میان کیا کوئی نگل اور ہی کھلا چاہتا ہے۔

نصیر۔ (آب دیدہ ہو کر) اگر میری قسمت میں وہی ہے تو بہتر ہو کہ خدا

مجھے ۔۔۔۔۔

پیر مرد۔ (جلدی سے درمیان میں ٹوک کر) خیر دار بُری بات زبان سے نہ نکالنا۔ مجھ سے کہہ دو کہ آخر ارادہ تمہارا ہے کیا۔

نصیر۔ میں تو جب کہوں کہ آپ پوری طرح سے کمزیرت چست بازہ کہ اس بات کا بیڑا اٹھائیں کہ مجھے میرے ارادے میں کامیاب ہونیکا ضرور موقع دلائیں گے۔

پیر مرد۔ دانشدہان پر کھیل جاؤں۔ آخر میرا وجود ہے کس کام کا بخدا میرا خیال تو اس کا مصداق ہے۔

خدا نکند۔ گوسفند بکار قربانی آید یا بکار بریانی۔

میان نصیر نے۔ پیر مرد کے اس لطیفہ پر کہ (خدا نکند) کچھ تبسم کیا۔ اور کہا کہ دیکھو نا تمہیں میرے سر کی قسم یہ وقت ادا دکا ہے۔ اگر کوئی بات میرے خلاف مرضی ہو جائے گی تو یقین مانو کہ مجھے زندہ نہ پاؤ گے اور اگر زندہ رہوں تو یہاں نہ رہوں گا۔

پیر مرد۔ پھر وہی بُری بات زبان سے نکالتے ہو۔ میں عہد کرتا ہوں کہ جو تم کہو گے انشاء اللہ کر دکھاؤں گا۔ اور نہ کروں تو۔ (موچھو نیپرتاؤدیکر)

ہاشمی بچہ نہ کہنا۔

نصیر۔ میں تو اس نسبت سے جو والد نے قرار دی ہے ہرگز رضی نہیں البتہ فطریہ بیک منصب دار کی لڑکی سے نسبت ہو تو جی جاوے پیر مرد (خندہ پیشانی سے) واہ رے میرے شیر کیا انتخاب کیا۔ اس انتخاب پر چشم ہزار صا۔ خدا کی قسم جی پھر گ گیا اس لڑکی کو میں نے گودون کھلایا ہے۔ بیشک میان۔ وہ تمہارے ہی جوڑ کی ہے۔ خدا ہی نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ لائق بھی ویسی ہی۔

میان نصیر نے جو یہ تعریف اس پیر مرد سے سنی اور بھی ان کا خیالی عشق نفل در آتش ہو گیا۔ کہا کہ ان تانا دیکھو تم ہی انصاف کرو کہ ایسی تعلیم یافتہ مہذب لڑکی کے ساتھ میرا بیاد نہ ہو۔ اور ایک نالائق پرانے فن کی لڑکی کے ساتھ عقد کر دیا جائے۔ یہ تو بخدا ایسا ہے کہ زانغے را با طوطی در قفس کردند۔

پیر مرد۔ بجا کہتے ہو۔ بجا۔ میرے جی میں کئی بار آیا کہ تمہارے والد سے کہوں۔ اور اگر ان سے میں کہتا تو وہ ضرور قبول کرتے مگر خدا جانے کس بے ایمان نے کیا سمجھا دیا۔ اس طرف ان کی توجہ ہی نہیں لیکن

یہ یاد رکھو کہ اگر اس کام کو تمہارے حسبِ دلخواہ انجام کو نہ پہنچاؤں تو ہاشمی نہیں۔

میان نصیر (خوشی سے) قربانت مضموم۔

پیر مرد۔ من قربانت مضموم۔ گھبراؤ نہیں۔ اگر تمہارے آبا نہ مانیں گے تو والد تمہارے دادا حضرت کے سر کی قسم مناؤں اور بیچ کھیت مناؤں۔ میان نصیر۔ اس فقرے پر تو ہنس دیے۔ کہ تمہارے دادا حضرت کے سر کی قسم۔

نصیر ہاے۔ افسوس۔ دادا حضرت ہوتے تو مجھے یں دیکھنا کیوں نصیر ہوتا۔ پیر مرد۔ ہنیں نہیں بے فکر ہو۔ تمہارا باپ ایسا کوئی جاہل آدمی نہیں ہے۔ گو کسی قدر ضدی ضرور ہے مگر اسکو راہ پر لانا میرا کام ہے۔ وہ اگر نہ مانے تو تمہاری والدہ کو مناؤں گا۔ وہ تو میری گودوں کی کھلائی ہوئی بچی ہے۔ خدا اسکو سلامت رکھے بڑی نیکی بخت بی بی ہے۔ نصیر۔ والدہ نیم راضی ہیں مگر والد سے ڈرتی ہیں۔

پیر مرد۔ کیا تمہارا باپ شیر ہے کہ کھا جائیگا۔ دیکھو جاتا ہوں (بسم اللہ کہہ کر اٹھنا چاہا)۔

نصیر- میرا ایک خط بھی لیتے جاؤ۔

پیر مرد- اور اچھا ہے۔ مگر لکھا کیا ہے ذرا سناؤ تو کہیں غصے میں انا پشناپ قلم فرسائی نہ کی ہو۔

نصیر- بہنیں ابھی اس قدر از خود رفتہ نہیں ہوں۔ ہوش و حواس قائم ہیں مگر نوڈل مسودوں کے بعد یہ ایک خط میں نے لکھا ہے۔ یہ کہہ کر اٹھا۔ اور میز پر جو خط عافہ میں رکھا تھا نکال کر سنایا۔
قبلہ و کعبہ مدظلہ

قدیم ہوسا عرض ہے۔ تمام دنیا کا دستور ہے کہ والدین اپنی اولاد کے لیے وہ کام کرتے ہیں جو مفید اور بے ضرر ہو۔ میرے لیے آپ جو کچھ کریں گے اُس میں انشاء اللہ سوا میری بہتری کے ذرہ برابر بھی ضرر کا شائبہ نہ ہوگا۔ اگرچہ اپنے ذاتی معاملہ میں اور وہ بھی ایسا کہ شادی اور بیاہ سے متعلق ہو۔ بلحاظ ہمارے ملک کے رسم و رواج کے والد کی خدمت میں عرض کرنا سوادِ بی میں داخل ہے۔ مگر آج کل کی نئی روشنی اور یورپ کے آزاد طریقے کے دیکھتے ہوئے گویا آدین میں نے پرورش پائی۔ اور آپ ہی نے گویا مجھے آزادی

کے آغوش میں دے کر اُسکا فرزند آغوشی بنا دیا ہے۔ میں اپنی دلی
 تمنا کو خواہ وہ کیسی ہی ہو۔ اظہار کرنے میں دریغ کرنا۔ اپنے حق میں
 دشمنی کرنا سمجھتا ہوں۔ اسلیے بالکل ادب اپنی خطا کی معافی چاہ کر عرض
 پرداز ہوں کہ بندے کی نسبت آپ نے جہان کی ہے اُس میں صرف
 رشتہ دار ہونے کا زیادہ لحاظ کیا گیا ہے۔ اس موقع پر اگر تعلیم یافتہ
 ہونے کا بھی خیال فرمایا جاتا تو نامناسب نہ تھا۔ چونکہ زمانی کی رفتار
 کی کشش اپنے دلربا حسن اور نیرنگیوں کی طرف جذبِ مقناطیس
 کی طرح کھینچ رہی ہے اور اپنا ہر رنگ نباتی جاتی ہے اس موقع پر اگر
 آپ جیسا مدبر اور سرپرست زمانی کی رفتار کے خلاف کسی کام کو جائز نہ سمجھیں
 تو سجدہ بجز شمت کے گلے کے اور کچھ نہیں۔ لہذا امیدوار ہوں کہ
 دوبارہ اس مسئلے پر غور فرمایا جائے۔ باقی جگت مانا بالمشافہ عرض
 کریں گے۔ اس جراتِ التماس کی معافی چاہتا ہوں۔

آپ کا فرمان بردار فرزند

نصیر

پیر مرد۔ واللہ میان کس خوبی کے ساتھ اپنے مدعا کو تم نے قلمبند

کیا ہے۔ جی چاہتا ہے تمہارے صدمے ہو جاؤں۔ مگر یہاں ایک
فقرہ اچھا نہیں کہ (آزادی کا فرزند آغوش) لا حول ولاقوة تم کیون کسی
کے فرزند آغوشی ہوئے لگے تھے۔

نصیر- نہیں نانا۔ یہ کوئی گالی نہیں صرف عبارت آرائی اور مذاق کا اقتضا
تھا اکثر ایسے جملے یا فقرے مذاقیہ ایسے موقع پر بطور استعارے کے
لکھ دیا کرتے ہیں۔

پیر مرد۔ اگر ایسا ہے تو رہنے دو۔ بسم اللہ خط جلد حوالی کرو۔

در کار خیر حاجت ہیج استخارہ نیت

نصیر نے فوراً خط لفظی میں رکھ کر بند کیا اور مہر کر کے پیر مرد کے حوالی کیا
اور یہ شعر پڑھا۔

لے چلا ہے خط تو میرا نامہ بر

یہ دعا ہے نیک ہو انجب ہم کھر

پیر مرد۔ انشاء اللہ المستعان اب گجہ او نہیں تمہاری بہار قبالی
نور و منار ہی ہے۔

حضرت عشق نے شادی کی اور محبت کے قاضی نے نکاح چڑھایا

بھلا اب کس کی مجال ہے کہ اس شے کو توڑ دے۔

نصیر سپردم ہوتا یہ خویش را

تو دانی حساب کم و بیش را

پیر مرد۔ خدا حافظ کہہ کر اُٹھے اور پھر بیٹھ گئے اور کچھ سوچ کر کہنے لگے "میان خالی جانا شگون اچھا نہیں۔ کچھ پیامبر کے ساتھ شگون نیک نہ ہونا چاہیے۔"

نصیر نے بسم اللہ کہہ کر چپ سی پانچ اشرفیاں محبوبہ کے

نخال کر دیں۔

پیر مرد دھنسکر اس یہی شگون چاہتا تھا۔ خدا پانچ فرزند اس نخل مراد سے عطا کرے جس پر تم لکھتے ہوے ہو (خدا حافظ کہہ کر روانہ ہوئے)

خیال کا دربار

خیل یار در آغوشم آنچنان بفتور

کہ شرم استیم از شکوہ اسے دوش آمد

خیال بھی ایسا تیز پر ہے کہ ابھی یہاں تھا۔ اور ابھی ہزاروں کوس کا

چکر لگا آیا۔ نہ ہمارا جسم متحرک ہے۔ اور نہ ہمارے کسی عضو کو بظاہر کوئی حرکت محسوس ہوتی ہے۔ مگر خیال وجود مجسم بن کر جہان گرد بن جاتا ہے۔ خیال کا منظر اس قدر وسیع ہے کہ بیشمار خطرات اور دلوں لے۔ اور خواہشیں۔ اور تمنائیں۔ امیدیں اور آرزوئیں اسکے دامن کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ناممکن ہے کہ خیال صرف کسی ایک خطرے۔ یا آرزو یا اُمید کے قید خانے کا قیدی بن جاسکے۔ اس دربارِ عام کے بیٹھنے والے بیشمار ہیں۔

مگر اس کی ناز آفرینیان وہی دیکھتا ہے جو اس کے جادو فریب حسن کا محوِ نظر رہ ہو جاتا ہے۔ اس کی ادائیں دلفریب بھی ہیں اور تسلی دہ بھی۔ کبھی تو اس کے ناز اور کرشمے دل اور دماغ پر رنج اور فکر اور غم کے منتر چھونک چھونک کر مہبوت بنا دیتے ہیں اور کبھی اس کی دل لُبھانے والی ادائیں اور عشوہ و اندازِ پیاری صورت موہنی صورت بن کر دل افسردہ اور خاطر پر مردہ کو بہلانے لگتے ہیں بہت کو بہت کر دینا اس کے نزدیک بڑی بات نہیں۔ جو کو اُبھارنا اسکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ دل شادمان کو مغموم

بنادینا اسکی چین ابرو کے لیے ایک ذرا سا لٹکا ہے۔ منہ موم حزان
 نصیب کہ دل شاد کر دینا اس کے سحر آمیز تبسم کا ایک ٹپکلا ہے۔
 تسکین پائے ہوئے دل کو بقرار کر دینے کے لیے اس کی لطف
 پُر پیچ کی تھوڑی سی ہوا کافی ہے۔ بقرار دل کو راحت بخشنے کے
 لیے اسکے طرے کی خوشبو بس ہے۔ نا امید یوں سے پامال کرنا
 اسکے سمندرِ ناز کا ایک کرشمہ ہے۔ امید دن کی ٹپا رس دیکر حوصلے
 بڑھانا اس کی جادو بھری تقریر کا ایک معجزہ ہے۔ بہر حال نا امید یوں
 کے ساتھ امید میں مفرور لگی ہوئی ہیں۔ اور ہر کسی کو کچھ نہ کچھ دلچسپیوں کا
 خوش نما راحت فرسا مان اسکے خزانے سے مل ہی جاتا ہے۔
 کوئی امید ایسی نہیں کہ اس باغ خیال کے نخل آرزو کا گل نہ ہو کہ کوئی
 نا امید ایسی نہیں کہ اس کے خار کے ساتھ اُسکا دامن نہ الجھاؤ
 دونوں مصروفِ سیر ہیں۔

اگر کسی آتشین رخسارِ دلربا دلدار کا خیال اپنی بیوفائی کے
 اظہار پر آمادہ ہے تو ہوا کرے۔ مگر خیال یار بیوفائی کی تیغِ ستم
 سے قتل نہیں کرے گا۔ تقدیر چاہے ناکامی کی کندین ہماری آرزو

کو پھنسا کر قید کرے مگر خیال کی آزادانہ وفاداری ہم کو ضرور پیس کر
کر دے گی۔ کیا خوب کہا ہے۔

کتناباد وضع سے خیال اُس کا
بیکسی مین بھی آئے جاتا ہے

یہی خیال ہمارا اگر کیسوا در مستقل ہو جائے تو عرفان کے درجے کو پہونچا
دیتا ہے۔ اس دُور بین سے آنکھوں کا انداز بھی تمام عالم اور ساتوں آسمانوں
کی سیر کر سکتا ہے شاخِ سدرہ تک اس کیو تر کی رسائی ہو جاتی ہے۔
جہان فرشتوں کے بھی پر جلتی ہیں۔

مگر ہاں زیادہ تر لطف اُسی طبیعت والے کو ملیگا جو آزادی پسند
ہو۔ اُس کی حوصلہ افزائی جو اسکے ذریعہ سے ہوگی کسی اور سے نہ ہون
سکتی۔ یہ وہ مبارک اور ساز و ار ذریعہ ہے کہ جس کی وساطت سے آرزوئیں
کا میابی سے ہم آغوش ہوتی ہیں۔ اس لیلیٰ کے محل میں پہونچ کر وہ صو
معنوی کی ایسی پیاری اور دل فریب تصویر کو دیکھتا ہے۔ جسے کبھی چشم
شوق نے نہ دیکھا ہو اور جسکے دیکھنے سے صرف آنکھوں کو تسکین
ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اُسکی پیاری ریلی نشیلی منانہ آنکھوں کے

ہیمانے جو محبت کی شراب سے بھرے ہوئے ہیں۔ ساقی کے دستِ کم
سے لیکر مرے لیتا ہوا غٹ غٹ نوش جان کر جاتا ہے۔

بدہ ساقی مے باقی کہ درجنتِ نواہی نیت
کنار آبِ رکت آبادِ گلگشتِ مصلے را

اس معشوقہ مستانہ کی آنکھوں کے سُرخ سُرخ ڈورے گویا جامِ شراب
میں شعلِ سن کی کرین ہیں۔ اور اسکی نظر فریبی رند سے آشام
کے لیے باعثِ سرور۔ خیال کی مستی بھی واللہ عجب بکشمہ گاہِ داغ
ہے۔ دستِ ساقی کے قربان ہو کر ادھر جامِ نوش کیا۔ اُدھر وصلِ
کی پوچھی۔ دریا تک رسائی پیدا کی۔ مگر خوف کے دربان نے
وہین ٹوک بھی دیا۔ اور آپ ہی آپ اُس خیالِ یار کے ساتھ شکایت
کرنے پر کمر بھی باندھی۔ طنز و طعن اور جھڑکیاں بھی سنیں۔ اور
ساتھ ہی پھر شیرِ دشتِ شکر ہو گئے۔ سوالِ بوسہ کے لیے جرات کی
اور سنہ کی کھائی۔ اداؤں کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ ادب کے چوہدار
نے فوراً ادب سے کہہ کر ٹوک دیا۔ مگر مقصد وری کی مشاطہ نے
حراسِ دلائی کہ معشوق فریبی اسی کو کہتے ہیں۔ اس چشمہ حیات سے

سیر ہونا ہے تو سکندر بنجا۔ جان پر کھیل ایسا آبِ شیرین بغیر جان و
 نمل سکے گا۔ پھر کیا تھا فوراً ہمت بلند ہوئی۔ دربارِ عشق میں بار تو
 باہی چلے ہین۔ فوراً جرات کر کے بوسہ لے لیا مایوسی نے اپنا رنگ
 جما دیا تھا۔ لیکن عالم خیال کی مشاطہ نے پیٹھ ٹھوک کر کامیاب کر لیا۔
 عالم خیال کی کوشش گاہ کے نظارے کی سیر کرنے والے امیر
 نفیر شاہ وگدا۔ زن و مرد۔ طفل و جوان۔ کس و ناکس سب ہی ہین۔
 مگر اسکا انصاف اس قدر بے لوث ہے کہ علیٰ قدر مراتب ہر ایک کو
 سیراب کرتا ہے۔ بعض وقت افراط و تفریط کے الجھاوے میں
 کوئی آ بھی جائے تو آپ ہی خضر راہ بن کر اسکو دانش۔ کے تازیانے
 سے خبردار کر دیتا ہے۔ بارگاہِ جل و علیٰ میں کسی کی رسائی بھلا ہو تو
 کیونکر ہو۔ اور حاجت مند اپنی حاجت کو پیش کر کے حصولِ مدعا کیلئے
 عرض کرے تو کس کی وساطت سے۔ یہی ایک خیال ہے کہ جو سمجھتا
 ہے۔ یہی دعائیں بنکر اس کی بارگاہ تک رسائی پاتا ہے۔ بادشاہ
 کے دربار میں پہنچنے کے لیے ہزاروں عوارض ستی راہ ہین۔
 لیکن اسی خیال کی بدولت تدبیر کے دامن کے ساتھ وہاں تک

بھی ہمالی ہو جانی سر ہے۔

یہ ایک ایسا رفیق شفیق ہے کہ سب دوست آشنا۔ دھن دو
حکومت ریاست چاہے چھوٹ جائے مگر اس رفیق کے قربان تھائے
کہ ہر وقت ساتھ رہنے کو موجود ہے اور پھر ایسا ساتھی کہ ہم سے دو
چار قدم ہمیشہ آگے ہی رہتا رہے۔ اور پھر بھی ہمارے دم کے ساتھ
بہر حال اس خیال کی دلفریبیوں اور دلہنگیوں کی تعریف جب قدر
کی جائے کم ہے۔ لیجئے دور کیوں جائیے۔ یہ دین ہم آپ کو دکھائے
دیتے ہیں کہ جگت نانا کے جانے کے ساتھ ہی میان نصیر نے تنہا
بالا خانے پر خیال کے سمندر میں غوطہ لگایا۔ اور یار کی خیالی تصویر اس کو
روبرو ناز و ادا کے لہجے میں یہ کہتی ہوئی موجود ہو گئی کہ نصیر! نصیر!
میری جان تجھ پر قربان۔ تیری دل بھانے والی صورت کو جب سے
میں نے دیکھا ہے ہزار جان سے فدا ہوں۔ میرے پیارے نصیر!
جب سے مجھ کو یہ خبر رفتہ رفتہ پہنچی کہ تو مجھے اپنی لونڈی بنانے والا
ہے اس وقت سے مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہے۔ میرے دل کی
جو حالت ہے۔ یہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔

دفتماً نصیر کو اس فقرے نے چونکا دیا۔ کہ لونڈی بنانے والا ہی
چونک کر پھر اور ایک غوطہ لگایا۔ اور اپنے خیالی معشوق کی تصویر کی طرف
مخاطب ہو کر کہا۔ سپہر آرا ! یہ کیا کہتی ہے کہ نصیر تجھ کو لونڈی بنانے
والا ہے۔ نہیں نہیں تم ہے خدا کی۔

اس وقت نصیر کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ مگر اسکو
خبر بھی نہیں۔ آہ بھر کر کہتا ہے کہ اُف کلیجا منہ کو آتا ہے۔ سپہر آرا۔
او سپہر آرا ! میں تجھے اپنے تاج کا طرہ اپنے دل کا بادشاہ بنانا چاہتا
ہوں۔ توبہ توبہ غلط۔ چاہتا ہوں کیا معنی بنا چکا۔

غرض اس سمندر کے جزر و مد کی سیر میں ہمارا نصیر اس قدر محو
ہو کر غواصی کر رہا ہے اور اُس کے خیال کا پیک تیز رفتار اسکے
ارادوں کے قبل وہاں تک رسائی کر رہا ہے۔ جہاں جانیکا ابھی سکو
وہم و گمان بھی نہیں ہے۔

الغرض اس غمگین خیالِ فرقتِ یار کے تصور میں بیٹھے بیٹھے
دفتماً چونک اُٹھا۔ اب کے بار جو چونکا تو یہ چونکنا غیر معمولی تھا۔
معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے پاؤں کی آہٹ نے اسکو چونکا دیا۔

دیکھتا کیا ہے کہ خانسامان حاضر ہے۔

نصیر۔ کیون خانسامان۔

خانسامان (نزدیک آکر آہستہ سے کان میں) ظفر بیگ منصبدار کے محل سے کوئی ماما آئی ہے۔ عرصینہ لائی ہے۔ سرکار ہی کے ہاتھ میں دینا چاہتی ہے۔

نصیر۔ (فطرسرت سے بیخود ہونے کو تھا۔ لیکن بہت استقلال سے اس سرت کے جوش کو روکا اور بھٹکرا آہستہ استغنا کے ساتھ کہا) اچھا کیا مصالحتہ ہے آنے دو۔

نامہ بر سے نصیر کی ملاقات

میان نصیر کا خانسامان ایک برقع پوش عورت کو جو ظفر بیگ منصبدار کے زمانے سے آئی تھی اپنے ساتھ لایا اور بالا خانی پر پہنچا کر چلا گیا۔
نصیر (برقع پوش کی طرف متوجہ ہو کر) تم کہاں سے آئی ہو۔
برقع پوش۔ جی باندی منصبدار صاحب کے محل سے آئی ہے
نصیر۔ تمہارا نام کیا ہے۔

برقع پوش - لونڈی کا نام شریفی بی ہے مغلائی ہوں۔
 نصیر - آٹا ہ تم مغلائی ہو۔ ہم نے تمہاری بڑی تعریف سنی ہے۔
 مغلائی - یہ سب کچھ سرکارون کی پرورش ہے ورنہ باندی کسی
 تعریف کی مستحق نہیں۔

نصیر - بیٹھ جاؤ تم کو اجازت ہے۔
 مغلائی - آداب بجا لا کر بیٹھ گئی۔
 نصیر - کیوں کہو کیا کہنا ہے۔
 مغلائی - (کچھ شرمنا کر) کیا عرض کروں سرکار پر سب روشن ہے۔
 نصیر - ہمیں تو کچھ بھی خبر نہیں۔
 مغلائی - (دادا کے ساتھ) سرکار ایسا فرمائیں تو باندی کیا عرض کر سکتی ہے
 نصیر - بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ مجھے کچھ بھی خبر نہیں۔
 مغلائی - (چار طرف دیکھ کر) منصب دار صاحب کی صاحبزادی
 سپہر آرا بیگم کی مرسلہ ہوں۔
 نصیر - (فرط مسرت سے) آنسو ڈبڈبانے کو تھے۔ لیکن ضبط کو کام
 میں لا کر انھوں نے کیوں بھیجا۔

مغلانی - کیا عرض کروں اُنہیں نے بھیجا ہے جب سے اُنہوں نے سنا ہے کہ سرکار کا خیال اُن سے شادی کا ہے۔ لیکن سرکار کے والد ماجد ناراض ہیں۔ ناامیدی سی ہو گئی ہے۔ اب وخور چرا ہے رفتہ رفتہ اُنکی والدہ یعنی ہماری بیگم صاحبہ کو بھی یہ حال معلوم ہو گیا۔ (ٹھنڈی آہ بھر کر) وہ بھی اپنی جوان بیٹی کی ایسی حالت دیکھ کر زار قطار روتی ہیں۔ ان بیاہی لڑکی کا معاملہ۔ اور پھر ماشاء اللہ جوان ہو گئی ہیں۔ نہ تو زیادہ کچھ بول سکتی ہیں۔ اور نہ اُن کی رات دن کی بچپنی دیکھ کر خاموش ہی رہ سکتی ہیں۔ عجیب منحصرے میں پھنسی ہیں۔

نصیر - (ان باتوں کے سننے سے متاثر ہو کر) دیکھو نا اسید نہ ہونا چاہیے اس قدر پریشانی اور رنج کی ضرورت نہیں۔ تدبیر شرط ہے۔ میں حتی الامکان سعی کروں گا۔ بلکہ کر رہا ہوں۔ خدا سے امید ہے کہ ضرور کامیابی ہوگی۔

مغلانی - (دونوں ہاتھ اٹھا کر) اللہ آمین۔ (بہت ہی مغموم صوٹ بنا کر) کیا عرض کرے باندی اگر خدا نخواستہ اس میں ناکامی ہوئی

تو زندگی دونوں کی مشکل ہے۔ ابھی ہمارے میان منصب دار صاحب کو اطلاع نہیں کہ صاحبزادی نے کھانا پینا ترک کر دیا ہے اسے ہے وہ اگر سن لیں تو بڑی آفت ہو جائے۔ پرانی وضع کو آدمی ہین۔

نصیر۔ کیا انھیں معلوم نہیں۔

مغلانی۔ اللہ نہ کرے اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ ان بیابھی لڑکی نے ایسی سنی سنائی خبر پر اس قدر اپنا حال بُرا کر لیا ہے تو خدا جانے کیا کر بیٹھیں۔

نصیر۔ یہ تو کہو کہ تم کو بھیجا کس نے۔ اور پھر تم کیونکر آئیں۔

مغلانی۔ کیا عرض کروں۔ سر ہیتلی پر رکھ کر آئی ہوں۔ صاحبزادی نے مجھے بھیجا ہے۔ ان کی والدہ کو بھی خبر نہیں۔ ایک دن کی رخصت لیکر آئی ہوں۔

نصیر۔ گویا تمہارا نا بالکل راز میں ہے۔

مغلانی۔ جی ہاں سرکار۔ ابھی مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو سکر محی لوگوں میں سے کوئی میرے یہاں آنے کی خبر دیدے۔ پھر تو مین

کہین کی نہ رہوں گی۔

نصیر۔ بے فکر رہو۔ میرے یہاں کے لوگ بہت ہی رازدار ہیں
مغلانی۔ (ہاتھ جوڑ کر) ہاں صاحب میں صدقے گئی باندی کی عرت
اب آپ کے ہاتھ ہے۔

نصیر۔ گھبراہ نہیں۔ ہاں تو تمہاری بیگم صاحبہ نے کیا کہلا بھیجا ہے
مغلانی کچھ کہنے کو تھیں کہ نصیر نے پوچھا بی مغلانی سچ سچ بتاؤ
کہ تمہاری بیوی راضی ہیں۔

مغلانی۔ (سرخجھا کر) قربان جاؤں۔ راضی کیا معنی وہ تو کہتی
ہیں کہ اگر یہ پیوند نہ ہوا تو تمام عمر شادی نہ کروں گی۔ بلکہ (آسمان کی
طرف دیکھ کر) خدا نہ کرے اپنی جان کو کچھ کر لینے میں بھی وہ کئی کشتی
نصیر۔ خدا نہ کرے۔ انشا اللہ کامیابی ضرور ہوگی میں بھی ہاتھ دھو
پیچھے پڑا ہوں۔ ہاں بی مغلانی جب تمہاری بیوی بقول تمہارے
دل سے راضی ہیں اور تمہارے روبرو اقرار بھی کیا ہے تو بس
پھر کیا ہے ایجاب و قبول تو ہو گیا۔

مغلانی۔ (متر کر کے) خدا اس جوڑے کو قائم اور برقرار رکھے۔

نصیر۔ طرفہ یہ کہ تمہاری شہادت بھی ہے۔
 مغلائی۔ جی میں ایک گواہ نہیں۔ خود ان کی والدہ بیگم صاحبہ
 بھی گواہ ہیں۔

نصیر۔ بس تو پھر اب کیا باقی رہا۔ خدا وہ دن بھی ملائے گا کہ ظاہری
 رسم ایجاب و قبول بھی ادا ہو جائے گی۔

مغلائی۔ جم جم خدا ایسا کرے۔

نصیر۔ تمہاری بیوی شرع شریف کے موافق عقد ہونا پسند
 کرتی ہیں یا رسوم کے ساتھ۔

مغلائی۔ نہیں سرکار وہ بڑی شرع کی پابند ہیں۔ بیگم صاحبہ ان کی
 والدہ بعض بعض رسوم کو جو جاری رکھتی ہیں۔ یہ ہمیشہ نوکرتی ہیں
 کہ وہ رسوم ادا ہوں۔ بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ بیٹی جب تم اپنے شوہر
 کے گھر جاؤ گی تو اس وقت حکومت کرنا۔ اب تو ہمارے بس ہیں ہو۔

نصیر۔ شکر خدا کا کہ شرع کی پابند ہیں۔ کیا انگریزی بھی
 جانتی ہیں۔

مغلائی۔ ماشاء اللہ انگریزی وہ روان فر فر بولتی ہیں کہ ہم دھک

سے رہ جاتے ہیں۔ اُن کی والدہ اور والد کب خوش تھے کہ اُن کو انگریزی سکھائیں۔ مگر دُرِوانہ بیگم جو ہمارے منصب دار صاحب کی بھوپھی ہیں وہ شایستہ بیگم ہیں۔ اور انہیں کے اصرار پر ہماری صاحبزادی کو تعلیم اچھی طرح سے مجبوری دلوائی گئی۔

نصیر۔ کیا دُرِوانہ بیگم صاحبہ عظمت قدر صاحب کی بیوی لکھی پڑھی ہیں۔

منغلانی۔ صاحب کیا عرض کروں اس خاندان میں ایسی لائق بیگم تو کوئی بھی نہیں ہے۔

نصیر۔ خدا کی قدرت۔

منغلانی۔ صاحب۔ پھر اس معاملہ میں کیا پیام پہونچاؤں۔

نصیر۔ بس اتنا کہدو کہ جب تم نے مجھے اپنا کر لیا تو میں بھی تمہارا ہوا اب ہٹ کر رہو۔ غم نہ کھاؤ۔ کڑبو نہیں۔ خدا سے امید رکھو۔ تم دعا کرو میں کوشش کرتا ہوں۔ (السَّعْيُ مَتَى وَالْإِتْمَامُ مِنَ اللَّهِ) انشاء اللہ انجام بخیر ہی ہوگا۔

منغلانی۔ اب باندی اجازت چاہتی ہے۔

میان نصیر (حبیب سے دوا شرفیاء نکال کر)۔ یہ لو تمہارا انعام ہے۔

مغلانی۔ سب آپ ہی کا صدقہ کھاتی ہوں۔ اسکی کیا ضرورت ہے انشاء اللہ جوڑے کے ساتھ لُون گی۔

نصیر۔ انشاء اللہ اُس وقت جوڑے کے ساتھ بھی ڈونگا۔ مگر یہ ضرور لو۔ انکار نہ کرو۔

مغلانی۔ نے آداب بجا لا کر شرفیاء لین۔ اور دعائیں دیکر روانہ ہوئیں۔

چمپکونیان

ہمارے ناول کے معزز ہیرو نواب ذیشان کے یہاں رات دن مجمع احباب رہا کرتا ہے۔ حسب دستور سب احباب جمع ہیں۔ اور آپس میں یہ چمپکونیان ہو رہی ہیں۔

نواب (قلندر سے) کیوں اُستاد نجوم تو برحق ہے نا۔
قلندر۔ بیشک نجوم اور رمل جفر یہ سب ہمارے پیہر دن کے ایجا

کیے ہوئے ہیں۔ ان کے برحق ہونے میں کیا تامل ہے لیکن ان کے احکام پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ سوا خدا کی ذات کے۔ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیے۔

نواب۔ کیا استاد آپ کو اس میں کچھ دخل ہے۔

قلندر۔ ہاں بچپن میں میں نے کچھ سیکھا تھا اب تو اشکال کے نام بھی پورے طور سے یاد نہیں۔

رفیق۔ سنا جاتا ہے کہ حضور میں کوئی رمال ہے جس کا نام محمد بخش ہے اور وہ بہت اچھا حکم لگاتا ہے۔

قلندر۔ ہاں بیشک اچھا ہے۔

پنڈت۔ اجی کیا کہیگا محمد بکس میں وہ حکم لگاؤں کہ تیر بہدف آجائیش (آرائش) کر لیجیے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

رفیق۔ (نواب کی طرف متوجہ ہو کر) دیر کیا ہے کوئی سوال کیجیے

نواب۔ لطف توجیب ہو تاکہ رمالی بھی موجود ہوتا اولیک ہی سوال

کا جواب دو نون دیتے۔

رفیق۔ بجا۔ بالکل صحیح۔

یہ ترجمہ اور عربی
نویس کیا تھا
میں نے اس پر
تعمیل کر کے

قلندر۔ میرا ایک شاگرد ہے محمود۔ وہ رمل میں اچھی دستگاہ کھتا ہے۔ اُس نے اس فن میں کمال کا درجہ حاصل کیا ہے۔ اُس کا آفتابِ حکم گویا ہمیشہ بُرجِ شرف میں رہتا ہے۔ حکم کیا لگاتا ہے نشانہ لگاتا ہے سو میں نوے صحیح

نواب۔ (قلندر سے) اُستاد کسی روز ضرور ساتھ لیتے آئیے اگر ہو سکے تو آج شب کی محفل میں لائیے۔

قلندر۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اتے اتے ضرور ساتھ لاؤں گا کچھ تاہل کر کے (گمروہ نوکر ہے کسی انگریز کے پاس اُسکی میم کو پڑھاتا ہے اور وہ اس قدر اُسکو چاہتی ہے کہ بس ہر وقت منشی منشی بکارتی رہتی ہے نواب۔ وہ کون انگریز ہے۔

قلندر۔ (کچھ سوچ کر) لاحول ولا قوۃ۔ حافظہ کچھ ایسا خراب ہو گیا ہے کہ اُس کا نام یاد نہیں آتا۔ میری تو یہ حالت ہے کہ کبھی تو ساتھ ستر برس کی بابت یاد رہتی ہے۔ اور کبھی شب میں کیا کھایا تھا صبح کو بھی یاد نہیں رہتا۔

نواب۔ بالکل آپ اسکے مصداق ہیں۔

گئے برطارم اعلیٰ نشینم

گئے بر پشت پائے خود بنیم

رفیق - خیر تلاش کیجیے گا۔ اگر ملے تو ضرور ساتھ لائیے۔

قلندر - انتہاء ضرور لاؤنگا۔ پرسوں مجھے اُسی سے کچھ کام تھا مکان پر گیا۔ معلوم ہوا کہ صاحب کے پاس ہے وہاں سے صاحب کے مکان کا پتہ پوچھتا ہوا پہونچا۔ رزیدنسی کے قریب اُنکا مکان ہے جب میں وہاں پہونچا تو درس کا وقت تھا۔ غرض میں نے اپنے آنے کی اطلاع کی۔ میم کی اجازت حاصل کر کے مجھے اندر بلا لیا۔ بیچارہ نیک بخت میم نے بہت عرصے سے ملاقات کی اور مجھ سے پوچھا کہ آپ ہمارا منشی کا اُسٹاڈ (استاد) ہے میں نے کہا جی ہاں جیسے وہ آپ کا اُسٹاڈ ہے۔

میم کو کہا ہم بھی آپ کو اُسٹاڈ پکارے گا کچھ مصافقہ تو ہمیں میں نے کہا جو آپ کے جی میں آئے کہیے۔

رفیق - یہ اُسٹاڈ کی ایک ہی کہی۔

قلندر - جی ہاں ان کی زبان میں (۷) کی دال گلتی ہی نہیں۔

نواب۔ کیا خوب۔ دال گلنا۔ جربتہ کہا۔
 قلندر۔ (نواب سے) بھر مال کچھ دیر گشتگو ہوئی۔ اگرچہ تلفظ غلط
 ہے لیکن پڑھتی خوب ہے اور لکھتی بھی ہے۔ اس اثنائیں
 اُن کا کوئی دوست آیا۔ اُس سے بہت تپاک سے ملین۔ ان کے
 عجیب و غریب قواعد ہیں۔ عورت کی اتنی عزت کسی قوم میں نہیں
 ہوتی۔

نواب۔ اُستاد۔ سچ پوچھو تو عورتیں بیشک زیادہ عزت اور
 رعایت کی مستحق ہیں۔ ہماری قوم سے یہ طریقہ جو اٹھ گیا تو اچھا نہیں ہوگا
 رفیق اجمی حضرت بہت باریکیاں ہیں ان کی طرز معاشرت میں۔
 دنواب کی طرف دیکھ کر آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ طرز معاشرت کے
 نکات بندے کو بتائیں گے۔

نواب۔ پھر آپ نے مجھ سے اسکا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ میں تو ہر وقت
 تیار ہوں۔

رفیق کیا اس وقت میں کچھ پوچھ سکتا ہوں۔

نواب۔ بسم اللہ دیر کیا ہے۔ سو اب بات چیت کے اور اس وقت

کچھ کام نہیں۔ اور آج تعطیل بھی ہے۔

رفیق۔ بھلا تعارف پیدا کرنے کے طریقے میں کیا آپ نے کوئی بات چھوڑ دی تھی۔

نواب۔ رکچھ سوچکر اہان میں نے یہاں تک آپسے کہا تھا کہ کسی کے یہاں لوگ جمع ہوں تو اُس میزبان کی عزت مہمانوں میں تعارف کرانے کے لیے کافی ہے۔

رفیق۔ جی ہاں۔ یہیں تک آپ نے فرمایا تھا

نواب۔ اور یوں تو بہت کچھ ہے مگر دو چار باتیں جو ہر وقت کام دیتی ہیں وہ بتا دیتا ہوں۔

رفیق۔ مہربانی۔

نواب۔ ہمیشہ یہ بھی خیال رکھیے کہ کسی محب کے گھر اگر دعوت

ہو۔ اور وہاں کسی اجنبی لیڈی سے ملنا منظور ہے تو صاحب خانہ

سے استدعا کیجائے کہ وہ تعارف کرادے یا خود صاحب خانہ کو اس کا

خیال ہے کہ اگر کسی معزز افسر کی لیڈی مدعو ہو تو اُس کا اپنے دوست

خود تعارف کرائے۔ ایوننگ پارٹیوں میں تعارف کرانے کا طریقہ

کم ہوتا جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر وہاں ایک حد تک مساوی حالت سمجھی جاتی ہے۔ گفتگو کرنے کا طریقہ بھی نازک ہے۔ جب کبھی گفتگو ہو تو پہلے یہ خیال رکھیے کہ سنجیدگی سے گفتگو کی جائے۔ اور تذکرہ ایسا ہو جو مرغوب اور موافق مزاج ہو۔ کل لیڈیوں سے ایک ہی قسم کی گفتگو نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ وہ جس قسم کی گفتگو شروع کریں زیادہ تر اسی سلسلے کے دامن کو وسعت دینا چاہیے۔ بعض ہمارے ملک کے لوگ غلطی کرتے ہیں کہ لیڈیوں سے ایسے بڑے بڑے معاملات میں گفتگو کرنے میں جن میں ایک بڑی ٹینسٹرٹ سے گفتگو کرنا چاہیے۔ یہ البتہ اُن کے لیے ناگوار ہوگا۔ بہر حال وہ گفتگو کی جائے جس میں ان کو واقفیت یا خاص مذاق ہے۔ پہلے جب ملاقات ہو تو مزاج پر سی کے بعد موسم کی عمدگی۔ یا جس باغ میں یا جس مکان میں ملاقات ہو اُسکی آرائش و رستی اور عمارت کی خوش وضعی پر۔ دو چار باتیں کرنا چاہیے جن میں خوشا یا مبالغہ کی بونہ آتی ہو۔ صاحبِ اولاد بیبیوں سے اُن کی اولاد کا تذکرہ کرنا چاہیے۔ اگر اُن کے بچے وہاں موجود ہوں تو بہت

محبت اور پیار کی نظر سے اُنکو دیکھنا۔ اور اُن بچوں سے وہی باتیں کرنا چاہیے جو اُن کو مرغوب ہوں۔ نہ یہ کہ ہمارے ملک کی سی حالت کہ جب کبھی کسی نے اپنے دوست کے دہرو اپنے بچے کو پیش کیا تو بعض اسکے کہ بچے سے دلچسپ باتیں کریں میان صاحب نے فوراً پوچھا کیوں میان یا۔ بابا تم کیا پڑھتے ہو۔ تمہارا سبق کیا ہے۔ لاجول ولاقوۃ۔ یہ اُسکے دل کو آزدہ کرنے والی گفتگو ہے اول تو بچپن کا زمانہ کھیل کود کا۔ پڑھنے کی طرف رغبت ہی کب ہوتی ہے۔ پھر اُسپر کسی کا ایسے کھیل کود کو وقت یہ سوال کرنا کہ تم کیا پڑھتے ہو۔ اُس کے کھلے ہوئے غنجہ دل کے لیے مرجھانے والی بادِ سموم کا جھونکا ہے۔ ایسے ہی کسی خٹلمین سے ملاقات ہو تو بھی اُسکی لیاقت اور واقفیت اور اُس کو مذاق کے لحاظ سے خطاب کرنا چاہیے بے موقع ظرافت کی گفتگو۔ یا ضرب المثل۔ یا کہاوتیں۔ یا ذومعنی الفاظ کے استعمال سے بالکل احتراز کرنا چاہیے۔ بر موقع اگر کسی ظریف طبع سے ملاقات ہو تو ایک آدھ بات ظرافت کی کہ دنیا مضائقہ نہیں۔ علیٰ ہذا عشق

مضامین یا عاشقانہ اشعار کا پڑھنا ہرگز نہ چاہیے۔ اپنی قابلیت کا اظہار اپنے منہ سے کبھی زیبا نہیں ہے۔

رفیق۔ یہ باتیں تو ہمارے ملک کے جلسوں کے لیے بھی مفید نواب۔ کیونکہ ہمیں مذہبی معاملات کا تذکرہ بھی نہ آنے دینا چاہیے اور اگر بر تقدیر چھڑ جائے تو اس قدر احتیاط کرے کہ کوئی بات جو مخاطب کے دل کو آزدہ کرنے والی ہو ہرگز ہرگز زبان پر نہ آنے پائے۔

مین نے اپنے ایک دوست کو دیکھا جو قاری بھی تھے ان کی ایک انگریز دوست سے ملاقات ہوئی تو اس انگریز نے فرمایش کی کہ کوئی سورہ پڑھیے مگر خوش الحانی سے باقاعدہ۔ بجائے اسکے کہ پڑھ دیتے یا کوئی عذر مناسب کر کر ٹال دیتے۔ صاف کہہ دیا کہ کافروں کے سامنے قرآن کس طرح پڑھا جائے یہ کہہ کر بہت ہی زور سے آپ نے قہقہہ بھی لگایا۔ یعنی فخر سے یہ سمجھتی ہیں کہ اس وقت کیا خبر لی ہے۔ لاجول ولاقوۃ۔ میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چونکہ وہ انگریز لائق اور خلیق اور ہندوستان

میں ایک زمانے سے رہا ہوا اور یہاں کے گرم دوسرے زمانہ سے واقف تھا اُس نے ہنسی میں ٹال دیا۔ اسکی میم نے اُس سے پوچھا کہ اس شخص نے جواب میں کیا کہا جو خود بھی ہنسنا اور تمھیں بھی ہنسایا۔ اُسکو خاوند نے دوسرے پر ایہ مین اسکو سمجھا کر اُس بات کو بالکل ٹال دیا اور اپنی بیوی کو معلوم بھی نہ ہونے دیا کہ ایک بیوقوف دوست نے ایسی توہین کی بات کی۔

قلندر۔ ہاے ہاے کبھی مسلمانوں میں جو جاہل ہیں تعصب نے کچھ ایسا کہ انکے دلون پر جھار دیا ہے۔ مبصداق۔

ختم اللہ علیٰ قلوبہم الخ کہ بس کچھ کہا نہیں جاتا۔

نواب۔ نہیں استاد۔ جہلا پر ہی گیا بیوقوف ہے۔ ان مولوی اور مشایخون کو دیکھو کہ جب کبھی وعظ کہیں گے تو ضرور وہ ذکر چھڑا دیں جو کافروں سے متعلق ہو۔ اور جہاں قرأت میں لفظ کافرون یا کافریں آیا اسکو بہت فخر اور خوشی سے زور کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور جب اُسکے معانی بیان کرتے ہیں تو سُننے والوں کے دلون کو اس قدر برا معلوم ہوتا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ بخدا مجھے تو معلوم

ہوتا ہے کہ گویا ظالم نے میرے کلیجے پر برہمچی ماری یا اکسپرس
کی گولی لگائی

قلندر - (نواب کی طرف دیکھ کر) خان مان نے خبر دی ہے کہ بشیر
حاضر ہے۔

نواب - بھو ایہجیے نا۔

قلندر - (خانسان کو آواز دیکر) بشیر کو بلا لیجیے۔

بشیر نے حاضر ہو کر سبکو ادب سے سلام کیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

قلندر - کیوں میان بشیر کہاں سے آئے ہو۔

بشیر - اُستاد آپ ہی کے درِ دولت سے حاضر ہوتا ہوں۔

قلندر - کیوں آج اس قدر سویرے ہمارے مکان پر گئے تھے

بشیر - حضرت ہان - شب مین مین نے ایک غزل کہی تھی اصلاح

بھی لینی تھی۔ اور ایک معرکہ بھی کل کا سنانا تھا۔

قلندر - وہ کیا معرکہ۔ کسی سے گتھم گتھا تو نہیں ہوئی۔

رفیق - گتھم گتھا کیون ہونے لگی۔

قلندر - (بشیر کی طرف اشارہ کر کے) یہ حضرت مغلوب العنقب

بہت ہیں۔ جھٹ سے لڑنے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔
 بشیر۔ آخر سپاہی کچھ ہوں۔ رگ ہاشمی زور کر جاتی ہے۔
 قلندر۔ خیر کہو تو ہوا کیا۔

بشیر۔ چند روز کے قبل آپ نے معرفت کے متعلق جو کچھ بیان
 کیا تھا میں نے مولوی محمد عبدالقدیر سے اس بارے میں گفتگو کی۔
 انھوں نے مجھ سے گہرا کر کہا کہ۔ تمہارا استاد دیوانہ ہو گیا ہے
 جو ایسی واہی بتا رہی باتیں بکتا ہے۔

قلندر۔ لاجول ولاقوۃ۔ تم بھی عجب آدمی ہو۔ بھلا ان سے کیوں
 تم نے اس میں گفتگو کی۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ وہ وہابی ہیں۔
 بشیر۔ اسی لیے تو میں نے چھیڑا۔

قلندر۔ بڑا کیا چوکئی کسی بات کو نہ مانے۔ پاکسی کے عقیدے
 کے خلاف ہے۔ خواہ مخواہ اُس سے چھیڑ خوانی کرنی کیا ضرور ہے۔
 کوئی بھل سا بہت کی بات ہے۔ آئندہ سے ایسی بیجا حرکت نہ کرنا
 نواب۔ استاد! میں اس کا قائل نہیں مباحثہ عمدہ چیز ہے۔
 اس سے کچھ کچھ نتیجہ ضرور نکل آتا ہے۔

قلندر۔ مباحثہ بُری چیز ہے۔ مین صلح کل کا قائل ہوں۔ مباحثہ
مین نے نہ کبھی کیا۔ اور نہ میرے مرشد اسکو پسند کرتے تھے۔ حالانکہ
وہ ایک بڑے شیخ اور متبحر تھے علم و فضل مین۔

نواب۔ اپنی اپنی راے ہے۔ لیکن اُستاد معرفت کے باقی
کچھ اذنیات تو فرمائیے۔

قلندر۔ کیا اتنی فرصت ہے کہ کچھ سُنو۔

نواب۔ فرصت کی خوب کہی۔ کیون ہندین بہت خوشی سے۔
اس سے بڑھ کر اور کونسی بات ہے۔

قلندر۔ بہت اچھا سُنیے (کچھ سوچ کر) مین نے کہاں تک کہا تھا۔
نواب۔ جہاں تک میرا حافظہ یاری دیتا ہے اُس روز کا بیان
اس پر ختم ہوا تھا۔ وَلَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا اسْتَغْفِرُ اللَّهَ
وَأَتُوبُ إِلَيْهِ۔

قلندر۔ زندہ باش۔ خوب یاد رہا بسم اللہ سماعت فرمائیے۔
رفیق۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ اس کوڑے پر آپ نے ختم کیا تھا۔

ہر مرتبہ از وجودِ حکمے دارد

۱۲
لیکن مین
ای اللہ ہوں جو
میرا رب ہے نہیں
جو کوئی سبوتا
مین خدا سے منکر
چاہتا اور اسی
کی طرف پرت ہوں

گر حفظ مراتب نہ کنی زندگی

نواب - خوب خوب دانداسی پر ختم ہوا تھا۔

قلندر - درست اچھی یاد ہے۔ بسم اللہ سنے۔ عارفان فی ثنائ
نے حفظ مراتب کا مندر خیال رکھا ہے اور چاہیے بھی ہے۔

ذات الہی ہر مرتبے میں ایک نام کے ساتھ موسوم ہے اور ہر
پایہ کے ساتھ متعین ہے، اگر معنی کو کوئی لفظ کہے تو زیبا نہیں۔
حالانکہ معنی بے لفظ کے نہیں ہوتے۔ اور کوئی لفظ کو معنی کہے
تو سزاوار نہیں۔ حالانکہ لفظ بغیر معنی کے نہیں ہوتا بھر حال اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے لفظ ہے مگر لفظ کو لفظ ہی کہنا چاہیے
اور معنی کو معنی۔

دوسری مثال قریب الفہم یہ ہے کہ سونا ایک معدنی چیز ہے
اُس سے لکھو کھا اشیا تیار ہوتے ہیں۔ لیکن جس صورت میں وہ
دھل گیا وہی اُسکا نام ہو گیا۔ انگشتی گو سونے کی ہو لیکن صوت
کے لحاظ سے اُسکو انگشتی ہی کہیں گے۔ سونا لاؤ کوئی نہیں
کہیگا۔ گو انگشتی طلا کا منظر ہے مگر اپنی ہی شکل میں نمودار ہوئی ہے

اور پھر اپنے نام کے ساتھ قائم ہے پس ذات واجب الوجود ہر
لغین کے ساتھ متعین اور ہر قید کے ساتھ مقید اور معنی ہے۔

اگر مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق کہیں تو جہالت اور بے ادبی ہے
ہر چند مقید بغیر مطلق کے اور مطلق بغیر مقید کے نہیں ہو سکتا۔ یعنی
ہر مقید مطلق ہے کہ بطون سے ظہور میں آیا ہے اور غیب سے

شہود میں اور یہی سیر حضرت وجود ہے مراتب میں بدون خلوت و تہ سابق
اور لہو معاکم ائینما کستم اسی کی خبر اور سخن اقرب الیہ من جلی
الودید۔ کے معنی یہ ہیں۔ بلکہ زیادہ غور و تفحص سے ظاہر ہوتا
ہے کہ لفظ اقرب جو افعل التفضیل کا صیغہ ہے اُس سے ظاہر
ہے کہ سوا عینیت کے اور سب کچھ وہی ہے۔

اگر کچھ نقصان مراتب معنی اور احساس لفظ میں واقع ہو تو یہ اپنی
استعداد اور فہم۔ اور دانش کا قصور ہے۔ جو نہ سمجھے اُس سے خدا
سمجھے۔

۱۵ ترجمہ۔ اور وہ سب کے ساتھ تبار سے جہان تم ہو۔ ۱۲

۱۶ ترجمہ۔ اور ہم قریب ترین اُس کی طرف رگ گردن سے۔ ۱۳

بعض کہتے ہیں کہ سوا مسلم اور مومن کے سب دوزخی ہیں۔
 اللہ اللہ۔ اول تو یہ دیکھنا چاہیے کہ دوزخ کس کا مظہر ہے۔ جلال کا
 اور ثبوت مظہر ہے کس کا۔ جمال کا۔ اور یہ دونوں ایک ہی کے مظہر
 ہیں۔ ان میں غیریت نہیں۔ پس جبکہ غیریت نہیں ہے تو پھر عذاب
 کے مستحق ایک اور ثواب کے دوسرے کیوں کر ہو سکتے ہیں۔
 اسکے معنی پر کوئی غور نہیں کرتا۔ (لے تھی وسعت کل شیء یہاں
 تفاوت کہاں ہے۔

از فیض تہی نیت چہ نیکو و چہ زشت

صرف الفاظ کے لیے دو اعتبار ہیں۔ اول۔ الفاظ مرآت صور معانی
 دوسرے معانی آئینہ مثال الفاظ۔ پس باعتبار اول غیر از معانی
 کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ کم فہمی ہے کہ فقط معنی پر نظر ہے اور خوبی
 اور نزاکت الفاظ سے بھرہ نہو۔ باعتبار دوم۔ غیر الفاظ کچھ ہویدا
 نہیں معانی پوشیدہ ہیں۔ جس طرح گل میں بو۔ آفتاب میں صحر
 اُسی پر نظر رکھنا اور معانی سے بے خبر رہنا غلط فہمی کی دلیل ہے۔

لے ترجمہ۔ رحمت تیری وسیع ہے کل چیزوں سے ۱۲

لیکن دقیقہ سنجان تحقیق ہمیشہ دونوں کے شہود سے تازہ کام اور مقصد ورہیں۔ ان کی نظر میں ہر ایک دوسرے کا آئینہ ہے

یعنی معنی آئینہ لفظ اور لفظ مراد است معنی۔ بلکہ عین یکدگر۔ ابھی یہ گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی کہ کوئی یہ کہتا ہوا آ رہا ہے کہ جنت گیدیوں میں اب تک ادب نہ آیا نہ آیا۔ اور اب کیا آئیگا۔ ارے کہ جنت کا دُخر میں بھی تمہیں تمیز نہیں۔

سب کے سب اُس طرف مخاطب ہوتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ پیر مرد (جگت ناتا) بہت غصے میں چلے آ رہے ہیں۔

قلندر۔ کیوں میان پیر مرد اس قدر غصہ۔

پیر مرد۔ کیا کہوں یا رناک ہی اڑا دیتا۔ مگر رنواب کی طرف دیکھ کر ان کی خاطر سے چھوڑ دیا۔

رنواب۔ کیا کسی نے بے ادبی کی۔

پیر مرد۔ اب تھوڑے دنوں میں دھکے دلواد گے۔

رنواب۔ آئیں۔ مجال ہے کسی کی کیا کسی نے کچھ گستاخی کی۔

پیر مرد۔ گستاخی کیا معنی۔ کہتا ہوں ناکہ دھکے دینا باقی تھا۔

خانساں نے عرض کیا کہ ہنیں خداوند مجال کیا ہے کسی کی وہ پہرے والا نیا تھا۔ اُسے کبھی آکھواتے جاتے ہنیں دیکھا تھا۔ اسیلئے ٹوک دیا۔

نواب - خبردار پھر ایسی حرکت نہ کرے۔ جتا دو۔ اور ایسے پہرے والے کو رکھو باتمیز اور واقف کار ہو۔

پیر مرد - خیر کیا مصالحتہ۔ مگر آپ سے کچھ ضروری کہنا ہے۔

نواب - کیا مجھ سے۔

پیر مرد - جی ہاں۔ پھر کس سے

نواب - کیون خیریت۔

پیر مرد - سب خیریت ہے۔ الحمد للہ

نواب - بسم اللہ کہہ کر پیر مرد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیو ہوئی پریوٹ روم میں چلے گئے۔ ساری محفل ساکت۔ ایک ستائے کا عالم۔

نواب نے پیر مرد کو ایک کرسی پر بیٹھایا۔ اور آپ بھی کرسی پر بیٹھ گئے۔ پوچھا کہ فرمائیے کیا ارشاد ہوتا ہے۔

پیر مرد - پہلے ہمارے سر کی قسم کھاؤ کہ ہم جو کہیں اُس سے انکار نہ

کرو گے۔ اگر انکار کرو گے تو پھر تمہاری ہماری دوستی قطعی آج سے
آئی گئی ہوئی۔

نواب۔ یہ تمہید ہی نئی ہے۔ پہلے میں سن بھی تو لؤں کہ ہے کیا
واقعہ۔ پھر اسے قائم کروں گا۔

پیر مرد۔ اسے واسے ندارد۔ سن لو میری بات۔ زیادہ باتیں بنانا مجھ کو
آتا نہیں۔ مگر خیر خواہ ہوں تمہارا اور تمہارے خاندان کا۔ اور یہ بھی
تم جانتے ہو کہ تمہارے والد خدا منعمت کرے میری کیسی عزت
کرتے تھے۔ اور تم کو بھی حذر رکھے اُسی عزت سے بنا ہا۔ تمہارے
والد کا سب سے اول درجہ کا مین ہی مشیر تھا۔

نواب۔ آخر اس تمہید سے مطلب کیا ہے۔

پیر مرد۔ تم اپنی اولاد کے خیر خواہ ہو کہ نہیں؟

نواب۔ کیوں نہیں دل سے۔

پیر مرد۔ کھاؤ قسم میرے سسر کی۔

نواب۔ اسکی ضرورت کیا ہے۔ کیا میرے قول کا اعتبار نہیں

پیر مرد۔ بس تو سنو۔ یہ خط لہو اور پڑھو۔ اور جواب با صواب دو

ورنہ جو ان لڑکے کو اپنے ہاتھ سے کھودو گے۔

نواب نے گھبرا کر خط لیا۔ اور چاک کر کے بغور پڑھا۔ اور خاموش۔
چہرے پر تغیر شروع ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کچھ غصہ ضرور
ہے مگر افسوس کے ساتھ۔

پیر مرد۔ کیون پڑھ لیا تم نے۔

نواب خاموش۔

پیر مرد۔ کیا شاہ خاموش کے مرید ہو۔

نواب۔ (دھیمی آواز سے) ہاں پڑھ تو لیا۔ مجھے یقین تھا کہ ضرور
کوئی گل کہلے گا یہ ساری بد معاشی اور تعلیم احمد خان کی ہے
پیر مرد۔ ناحق اُسکو بد معاش کہتے ہو۔ اُس نے کیا برا کیا کسی کی بہو کو
بھگا کر نہیں لایا۔ شراب پینا نہیں سکھایا۔ نہ رنڈی بازی کی تعلیم دی
شادی کے معاملہ میں صاحب زادے نے پوچھا ہو گا کہ تمہاری
نظر میں کوئی ایسی لڑکی تعلیم یافتہ اور حسین ہے جو ہمارے لائق ہو
اُس نے محبت اور دوستی کے لحاظ سے دریافت کر کے کہہ دیا
ہو گا کہ فلان لڑکی ہے۔ اس میں بُرائی کی کوئی بات ہے۔

نواب - مجھ سے تو کجمنت استمراج کر لیتا۔

پیر مرد - شادی کرے تمہارا فرزند۔ اور استمراج تم سے ہوا اور لطفت یہ کہ اسکو ولایت بھیجا۔ تعلیم دلائی۔ مثل جان (جٹلمین) بنایا آزاد کیا۔ اور جو رو آپ تلاش کرنے کے لیے نکلے۔ واہ کیا کہنا۔ آپ کی بھی بعض باتیں چشم بدو در دنیا سے نرالی ہیں۔ بھلا ایسا لایق اور فہمیدہ اور سنجیدہ لڑکا ایک ایسی لڑکی سے شادی کر گیا جو ناخواندہ اور نالایق ہو۔

نواب - ناخواندہ ہو تو کیا۔ شریف زادی اور ایک خاندان کی تو ہے۔

پیر مرد - کیا منصب بد صاحب رذیل ہیں اے سبحان افسانے دادا آصفیٰ اول کے ساتھ رات دن رہنے والے۔ نوبت روشن چوکی۔ نقارہ۔ خطاب ملکی تھا۔ زمانے کی گردش نے اگر یہ سب اعزاز عطیہ شاہی ان سے لے لیا تو کیا نسل اور خاندان کی شرافت بھی مٹ جائیگی۔

نواب - کچھ سوچو یہ میں کب کہتا ہوں کہ وہ رذیل ہیں۔ مگر قربت

کی لڑکی کیون بڑی ہے۔

پیر مرد۔ مانا میں نے کہ قرابت کی ہے۔ مگر جو شادی کرنے والا ہے
اُسی کو اُس سے انکار ہے۔ تو آپ پھر کسکے گلے ڈالیں گے۔
نواب۔ یہ ضد میان نصیر کی۔ میں تو ہرگز نہ مانوں گا۔ میں نے
تو زبان دیدی ہے۔

پیر مرد۔ دیکھو۔ جلد بازی کام کی نہیں۔ سوچو معاملہ نازک ہے۔
جانوں پر بن جائیگی۔

نواب۔ (کچھ سوچ کر) اچھا باہم مشورہ کریں گے۔ ذرا اُستاد اور
رفیق صاحب کو بھی بلائے لیتا ہوں۔ (یہ کہہ کر خان مان کو آواز
دی۔ خانسا مان حاضر ہوا)۔

نواب۔ ذرا اُستاد اور رفیق صاحب کو بلاؤ۔
خانسا مان دونوں کو بلا لایا۔

قلندر۔ کچھ محفل کا رنگ پھیکا معلوم ہوتا ہے (پیر مرد کے بازو
پر آہستہ سے ہاتھ مار کر) اس کمبخت نے رنگ پھیکا کر دیا۔
پیر مرد۔ خدا نخواستہ رنگ پھیکا کیون چو کھا ہے۔ ذرا بیٹھ تو جاؤ۔

(قلندر اور رفیق بیٹھ گئے) دیکھتے کیا ہیں کہ نواب ذمی شان فکر کے
دریا میں غرق ہیں۔

قلندر۔ (نواب کی طرف اشارہ کر کے) فرمائیے قبلہ کیا حکم ہے۔

کس سوچ میں ہوں سیم بولو
آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

نواب۔ (چونک کر) جی یہیں ہوں۔

قلندر۔ خدا خیر کرے۔ رہے کیا فرمائیے تو۔

نواب نے اپنے فرزند نصیر کا خط قلندر کو دے کر کہا کہ آپ بھی

پڑھیں اور رفیق صاحب کو بھی دکھائیے اور اپنی رائے رزین سے

ممنون فرمائیے۔

قلندر۔ نے خط لیکر کسی قدر آواز سے پڑا کہ رفیق صاحب بھی

سنیں اور رکھ دیا۔

رفیق خموش۔

نواب۔ کیوں مہربان خموش کیوں ہو۔

رفیق۔ معاملہ نازک ہے۔ باپ بیٹوں میں آن پڑی ہے کیا

کہین۔

نواب۔ جو حق ہو۔

قلندر۔ مین کچھ کہوں۔ خفا تو نہ ہو گے۔

نواب۔ ہنن ہنن۔ خفگی کی کیا بات ہو اگر ایسا ہوتا تو مشورے کے لیے کیوں بلاتا۔

قلندر۔ مجھے سب حال معلوم ہے۔ گو آپ نے مجھ سے صاف طور پر نہیں کہا کہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن سب مجھے معلوم ہے خفا ہو یا خوش۔ ایمان کی بات تو یہی ہے کہ لڑکا جو ان خواندہ ولایت کا تسلیم یافتہ۔ اس کا کہنا حق بجانب ہے کہ تعلیم یافتہ لڑکی سے اس کا پیوند ہو۔ اس موقع پر قربت اور رشتے کو دیکھنا اور اس کی مرضی کے خلاف کرنا دانشمندی نہیں۔ وہ سعادتمند لڑکا ہے۔ کہ پھر آپ سے مشورہ لیتا ہے۔ ورنہ اگر وہ خود مختاری سے کر لے تو آپ کس کر سکیں گے۔

پیر مرد۔ بھی مین نے بھی یہی کہا۔

رفیق ہے تو بات ٹھیک۔

نواب۔ سب اُدھری کی گمانے لگے۔ میری سی کوئی نہیں کہتا۔
 رفیق۔ نے بالاتفاق کہا کہ اس میں اُستاد اور نانا کی رائے درست ہے
 اور صاحب ہے۔ جو ان فرزند کے ساتھ اُسکے منشا کے خلاف زیادہ
 سختی سے برتاؤ نہ کرنا چاہیے۔ حکما کا قول ہے۔ اور ہنود کے شاستر
 کا کہ جب لڑکا جوان ہو جائے تو اُسکے ساتھ برتاؤ ایسا کرنا چاہیے
 جیسے کسی دوست کے ساتھ۔

نواب۔ کچھ خوش ہو کر اُٹھے۔ اور کھا کہ اچھا میں اپنی پیگم سے بھی مشورہ
 کر کے آتا ہوں۔ یہ کہہ کر زمانے میں گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد
 واپس آ کر خط کو میز پر دے مارا اور چپ۔

پیر مرد۔ اور اُستاد۔ آپ اس میں برا نہ مانیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیگم
 صاحب نے بھی اختلاف کیا۔ مگر ان کی عقلمندی ہے۔ تصور معاف
 اس وقت آپ کو صرف اپنی بزرگی کا خیال ہے۔ مگر انصاف کا اقتضا تو یہ ہے
 کہ سوچ کر جواب دیجیے۔

نواب۔ سب کے سب نے گھبریں اور باہر اتفاق کر کے اور
 ایک ہو کر اس معاملہ کو چھیڑا ہے۔ مجھے اختلاف نہیں لیکن میں نے

اپنے رشتے میں جن سے نسبت ٹھہرائی ہے وہ کیا کہیں گے۔

استاد۔ اگر یہی خیال ہے تو ہمارا ذمہ ہم انکو سمجھا دینگے۔

نواب۔ سمجھا دینگے۔ مگر انکے اور میرے جو تعلقات قدیم سے ہیں ان میں ضرور فرق آئے گا۔

پیر مرد۔ اُنھہ جو ایسا کرے گا وہ دو روٹیاں زیادہ کھائیگا۔ اپنے گھر خوش۔

نواب۔ افسوس کہکڑ۔ کچھ دیر تک پھر سوچتے رہے۔

پیر مرد۔ اور قلندر دونوں نے کہا کہ اب جواب نہ دیجیے۔ شام کو دیکھی جلدی کیا ہے سوچ لیجیے مگر غور و مال کے ساتھ۔

نواب۔ انشائے شب میں جواب دوں گا۔

اَلْعَالَمُ مُتَغَيِّرٌ

عربی مدرسہ میں کوئی طالب علم ایسا نہ ہوگا جس نے اس جملہ کو نہ پڑھا ہو اور جس نے اُس کے گہرے معنی سے اپنے نازک دل کو متاثر نہ کیا ہو۔ درحقیقت جو تبدیلیاں قدرتی طور سے آنا فنا ہوتی جاتی ہیں

وہ قدرت کی نیزگیوں اور بوتلوں کی ایک حیرت انگیز آئینہ ہیں دور
 کیوں جائیے ہمارے وجود ہی کی مثال لیجیے۔ غور کیجیے تو معلوم ہوگا
 کہ کیا کچھ تبدیلیاں ہنہیں ہوئیں مگر ہم ایسے بے خبر ہیں کہ کچھ بھی خبر
 ہنہیں سچپن کا زمانہ کچھ دور ہنہیں گیا۔ پہلے اُسی کا خاکا کھینچے جب ہم
 پیدا ہوئے ہم کو دنیا و مافیہا سے کچھ غرض نہ تھی اور بالکل واقف نہ تھے
 کہ ہم کون ہیں۔ اور کس باغ کی کٹی ہوئی اور آئندہ چلکر گل کی صورت
 میں نکلیں گے۔ اور اپنی خوشبو سے ایک عالم کو معطر کریں گے۔
 جس وقت ہم پیدا ہوئے دودھ پینے کے سوا اور کچھ کام نہ تھا
 جب بھوک زیادہ مستاتی تھی تو ہاتھ پاؤں مار کر سہر کر اور پھر بیقراری
 سے رو کر اپنی درد بھری آواز سے اپنی مان کے دل کو بیچپن کر کے
 اُس کی یاد کو تازہ کرتے تھے کہ اس وقت ہمکو تمہاری مدد کی ضرورت
 ہے۔ اگر تم نے اس وقت خبر نہ لی تو معلوم ہنہیں ہم پر کیا گرجا بیگی۔
 اور پھر ہم نہ کسی کے سنبھالے سنبھالیں گے اور نہ کسی کے منہ
 سنیں گے اور اگر تم بھی ہاتھ لگاؤ گی تو قابو میں نہ آئیں گی۔ اور اگر تم
 ہماری دلی خواہش کو پورا کیے بغیر ہمکو جھوٹے مین ڈال کر اور لوریاں

دیکر اور تھپک کر جا ہوگی کہ ہم سوجائیں تو ہم ایسے نہیں ہیں کہ تمہاری
 باتوں میں آجائیں بلکہ ہم پر اس کا یہ اثر ہوگا کہ ہم اور بھی زیادہ بچیں گے
 اور زمین گے اور چلائیں گے۔ جس سے تمہارا پر محبت دل اور بھی
 بے چین ہو جائے گا۔ پس اگر اپنی اور ہماری خیر چاہتی ہو تو جو ہمارا
 منشا ہے اُسکو پورا کرو۔ اور سُنئے اگر کبھی فتورِ مضم کے باعث سٹ
 مین دروہو تو رات بھر مان کی گود میں بسورتے روتے چلاتے
 پڑے رہے۔ مان کی مائتا بڑی ہوتی ہے وہ اپنے پیارے جگر
 کے ٹکڑے کی جب ایسی حالت دیکھتی ہے تو آپے سے باہر ہو جاتی
 ہے۔ دوا درمن کی سوجھتی ہے۔ وید۔ حکیم۔ ڈاکٹر۔ سے رجوع
 کرتی ہے اگر ہاتھ میں پیسا نہیں ہوتا اپنا زیور یا جو کچھ اثاثہ ہوتا ہے
 اُسکو فروخت کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے اُسکو یہ بھی پروا نہیں
 ہوتی کہ آج تو گزر جائے گی کل کیا ہوگا۔ نہیں نہیں وہ اپنے مونہا
 لخت جگر نورِ نظر کی سلامتی کے مقابل اپنی دولت یا ثروت یا زندگی
 کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتی۔ کیا اس سے بھی اُسکو تسکین ہوتی ہو
 نہیں نہیں۔ دیکھتی ہے کہ دوا نے بھی اثر نہیں کیا اور اُس کے

نتھے پیارے نورِ نظر کی بتیابی اور چینی بدستور ہے۔ فال کھلوانے کی سوچھتی ہے۔ نجومی سے ستاروں کے اثرات دریافت کرتی ہے اگر کوئی نحوست ستارے کی بتائے تو اُس کا دغیہ پوچھتی ہے۔ نضر بہ کے خیال سے مسجدوں میں نماز کے وقت لیجا کر دم کراتی ہے لوٹنے جادو شیطان کے دہم کا بھوت جو سر پر سوار ہوتا ہے تو ملا عال کی تلاش میں در بدر پھرتی ہے۔ بہر حال جب تک ہمارا رونا موقوف نہ ہو اور اُسکی آغوشِ محبت میں بیٹھی نیندوں آرام نہ لین اُس کی آنکھوں کو نیتِ حرام اور اُسکی زندگی بیکار ہو جاتی ہے۔

یہ زمانہ ہمارا خدا خدا کر کے اسدی طرح ہزاروں آفتوں اور مصیبتوں کی گتھیوں میں الجھتا ہوا گزر جاتا ہے۔ مگر صرف ہم ایک ہیں کہ بیخبر ہیں۔ اگر یہ ساری سرگزشت ہم اپنے ہوش میں اگر نہ سن لیا کریں تو ہلکے خبر بھی نہ ہو کہ کیا گزری۔

اسکے بعد ہم چلنے پھرنے لگتے ہیں۔ اور کچھ باتیں کرنا بھی شروع کرتے ہیں۔ اُفتان و خیزان اُس زمانے کو بھی گزار دیتے ہیں اور وہ بھی ایسا تیز پر ہو کر اڑ جاتا ہے کہ نہ دیکھنے والوں کو خبر ہوتی ہے

اور نہ ہم کو۔

اب عالم شباب کا دور ہے یہ وہ دور ہے کہ مستی اسکی غائب
 بردار۔ غرور اسکے تاج کا در شاہوار۔ بے پردائی اسکی ادا خود پرستی
 اسکے حُسن کا غار۔ غصہ اسکے در کا دربان اس موسم میں ہر چیز بہار
 ہے اور ہر بات با دِ نسیم کا جھونکا۔ اسکی محفل میں سوا بادہ و صراحی و نقل
 و گزک کے کوئی دوسرا برہنہ نہیں پاتا۔ حُسن پرستی اس کا شعار۔ بے تحلفی
 اسکی عادت۔ شرارت اسکی خو۔ عاشقی اسکا ایمان۔ ایک شباب
 اور صد ہا برائیاں گھات میں اور ہزاروں خرابیاں قابو جو گروا رہے
 ان تیری ہمت کا کیا کہنا تو بھی عجب طلسم کا پتلا ہے کہ تو
 تن تنہا ان ہزاروں حیرت ناک چینوں اور زہریلے دھنوں کا مردِ میدان
 بن کر مقابل ہوتا اور بالآخر اس سخت مہم کو بھی سر کرتا ہے مگر عجب
 ہے کہ کرنے کو سب کچھ کرتا ہے مگر اسکی اسلحہ خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہوا
 اور کس طرح یہ میدان تیرے ہاتھ رہا۔ اسی طرح مہم سے لیکر لحد تک
 بے انتہا بھلائیوں اور برائیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک
 بھلائی اپنی دھڑیب صورت کی جھلک دکھلا کر اُسکو آئینہ حیرت

بنا دیتی ہے۔ اور سامنے سے گزرتی جاتی ہے۔ اور ہر ایک بُرائی
 اپنی مہیب شکل دکھا دکھا کر ڈراتی ہے اور بالآخر مٹ جاتی ہے۔
 مگر ہم ہیں کہ سو اگر کی طرح گھوڑے بیچکے سوئے ہیں۔ بظاہر نکمھین
 کھلی ہوئی ہیں۔ مگر حقیقت میں خواب غفلت کی دریا میں غوطہ لگا رہے
 ہیں۔ ہاں اس عقدے کو وہی حل کر سکتا ہے جس نے اس مشکل راہ کو
 طے کیا ہو وہی اس پہلی کو بوجھ سکیگا جو اسکی اصل سے واقف ہو
 وہ کون؟ جسے نامراد یون سے سابقہ پڑا ہو۔ جب تک نامراد یون
 سے سابقہ نہ پڑے۔ اور اُس کے زخم نہ کھائے جائیں کسی قوت
 کسی طرح زمانہ کی تبدیلیوں کی قدر نہیں ہو سکتی اور العالم
 متغیر کے معنی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ ہجر کی رات کس طرح گزری۔ اُنکی
 آنکھوں سے پوچھیے جس نے تارے گن گن کر۔ کروٹیں بدل بدل کر
 صبح کی ہو۔ وطن کی راحتیں اور تسکین بخش زندگی کا مزہ اُس سے
 پوچھیے جس نے سفر کیا ہو۔ اور غریب الوطنی کے چرکے کھائے
 ہوں۔ منزل دور۔ راستہ نامہوار۔ ہر ہر قدم پر ٹھوکرین تلوے
 خاروں کے طلسم سے زخمی۔ آفتاب کی تمازت سر پر سایہ کیے ہوئے

پریاس کی شدت سے قیامت کا دن یاد آتا ہے۔ بیکسی پر رونا
 آتا ہے۔ بے بسی دل بٹاے رہتی ہے۔ دولتمندی کی قدر و
 منزلت وہ لوگ کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے مفلسی کا مزہ چکھا ہو۔ اور
 تنگ دستی کے باعث زندگی سے تنگ آگئے ہوں۔ گدا می کا
 لطف اُسکو آتا ہے جس نے بادشاہ کی راحت و رفہ و صحتوں
 کو اپنا خوش نما منظر بنایا ہو۔

بہر حال جس تن لاگے سو تن جانے کہ اس عالم میں تغیرات
 کس طرح ہوتے ہیں اور ہم اپنی زندگی کس طرح بسر کرتے ہیں۔
 کل یوم ہونی شان کے معنوی اسرار کو جاننے والوں کو
 نزدیک اس عالم کا انقلاب ایک حیرت فراسین ہے۔ ہر وقت
 اور ہر آن ہمارے وجود غصری اور عقل اور خیال میں تبدیلیاں واقع
 ہوتی رہتی ہیں۔ ایک تجلی زائل۔ اور دوسری اُسکے مقابل مائل
 ہوتی۔ لیکن رانی تجلیہ زائلہ کو تجلیہ مائلہ سے تمیز نہیں کر سکتا بہت
 ہی غور اور سمجھ کی بات ہے کہ جب انسان اپنے غصری پٹلے کے
 تغیرات بدیہہ اور انقلابات علانیہ کو غور اور غوض سے دریافت نہیں

یہ تجلیہ زائلہ
 اور تجلیہ مائلہ
 کی شان میں
 ہے۔

کر سکتا۔ اُن سے واقف نہیں ہو سکتا تو عالم کے تغیرات کو کیونکر پہچان سکتا ہے۔ ہر شخص ناحق و ناروا بخت کا گلہ اور زمانے کی بیوفائی۔ اور زوال دنیا کی شکایت کرنے پر کمر بستہ مستعد رہتا ہے۔

لیکن روشن دماغ اور صاحب فہم و ذکا اس فکر میں رہتے ہیں کہ جو انقلابات ہوتے جاتے ہیں اور جن کا ہونا لازمی ہے اُسے مقابلہ کریں تو کس تدبیر سے اور اُن کو رفع و دفع کریں تو کیوں کر جان جو کھون میں ہے اور کشتی منجھدار میں پھنسی ہوئی ہے۔ بادِ مخالف کے جھونکے ہر طرف سے زور زور سے تھپڑے مار رہے ہیں اور موجیں اُٹھ اُٹھ کر بھائیں بھائیں کر رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دم کے مہمان ہیں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں اور کس طرح اس سفینے کو کنارے لگائیں۔

پس اسی طرح سے ہمارے نوجوان لضمیر خیالات کے انقلاب اور وہم و گمان کی صورت کی تبدیلیوں میں غور کرتے کرتے اکتا گیا تھا۔ اب کہیں اُسکی عقل سلیم نے اُسکو خبردار کیا کہ بیفائدہ اپنے وقت کو ضائع نہ کر۔ جو تدبیر اپنے حصول مقصد کے لیے کی

ہے اُسکے نتیجے کا انتظار کر۔ اگر خدا خواستہ اس میں کسی طرح کی ناکامی پیش آئے تو پھر تدبیر کی کست کو مضبوط پکڑ کر کوشش کے بالا خانے پر چڑھ جانا۔ اتنے میں خاں سامان نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ پانچ بجتے ہیں۔ شام کی ہوا غوری کے واسطے گاڑیاں حاضر ہیں کیا حکم ہوتا ہے۔

نصیر نے حکم دیا کہ برخاست کی جائیں۔ اور آپ بالا خانے سے اتر کر۔ بعد وضو کے عصر کی نماز ادا کی اور تبدیل لباس کے بعد اپنے دوستوں سے باتیں کرتا ہوا پائین باغ میں ٹہلنے لگا۔

نواب کیا کر رہے ہیں

ہمارے نواب ذیشان نے جب سے اپنے فرزند کا خط پڑھا ہے ملول ہیں کبھی تو وہ مغلوب الغضب ہو کر رفع فکر کی تدبیر کرنے سے عاجز آجاتے ہیں اور کبھی وہ اپنی عقل سلیم کے مغورے سے اس بات کو مان لیتے ہیں کہ میان نصیر نے اپنے بیاہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ بیشک ان کو ایسی ہی

لائقہ اور فہمیدہ اور سنجیدہ بیوی ملنی چاہیے۔ جس کے ساتھ وہ
 اپنی عمر کے طولانی زمانے کو مسرت اور شادمانی اور راحت و
 آرام سے گزار سکیں۔ غرض اسی حیل میں شام تک
 اپنے پرہیزگاروں میں تنہا بیٹھ رہے۔ اور کئی بار زنا نے میں
 گئے۔ اور اپنی بیوی سے مختلف پیرایوں میں اسے دریافت
 کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیوی نے قطعی طور پر اپنے فرزند و لبند
 کے ارادے کی تائید کی۔ اور پوری طرح سے اُسکی ہم خیال
 ہو گئی اب تو چار ناچار ہمارے نواب ذیشان کو یہ کہہ کر

خود غلط بود آنچه ماینداشتیم

اپنی اسے بدلنی پڑی۔ باہر دربار غام میں برآمد ہوئے اس وقت
 شب کے آٹھ بج رہے تھے۔

دیوان خانے میں سو اپیر مرد (جگت نانا) اور قلندر شاہ
 کے کوئی حاضر نہیں تھے۔ ان دونوں نے نواب کی خدمت
 میں کورنش کا گلہ ستہ پیش کیا۔

نواب بہت آؤ بھگت سے ان کے ساتھ پیش آئے۔ پوچھا

کہ نانا ابھی آپ مکان نہیں گئے۔

پیر مرد۔ قبلہ دراصل میرا مکان یہی ہے۔ وہ تو کرائی کا مکان ہے، اگر آج سے یہ کرائی کا مکان سمجھا گیا ہے تو بندہ اُس مکان کو ہول لے گا۔

نواب۔ (مسکرا کر) بیشک یہی آپ کا مکان ہے۔ اور آپ صاحب خانہ۔

پیر مرد۔ اللہ تمہیں دیرگاہ سلامت رکھے۔

قلندر۔ (نواب سے) کیون قبلہ حاجات مزاج شریفِ ناحق اپنے اپنی طبیعت پر بار ڈالا آج تمام دن ہلو گون پر گران گزرا نواب۔ ہاں بیشک مجھے بھی گران گزرا۔ مگر الحمد للہ میں نے اُس مقدمہ کا فیصلہ کر لیا۔ (جگت نانا کی طرف دیکھ کر) جائے اپنے منٹل جان (جنٹلمین) نصیر کو مزدہ پہنچا دیجیے کہ ہم نے اُن کی درخواست بطیب خاطر منظور کی۔

پیر مرد۔ (اُچھل کر) قربانِ احسانت شوم۔ وائند اس وقت دل سر دعا سکھتی ہے کہ خدا تعالیٰ تم کو ازا آنچہ شاد و محفوظ و ازا آنچہ شاد

محفوظ۔ ہمیشہ بامراد رکھے۔ اور تم سوا سو برس اپنی آل اولاد کے سر پر
 بافتح و نصرت قائم رہو۔

قلندر۔ میں بھی آپ کا ہم زبان ہوں۔ آمین (نواب کی طرف متوجہ
 ہو کر) بڑی دشمنی کی۔ ورنہ بہت سی الجھنیں پڑتیں۔

نواب۔ ہاں میں نے بھی یہی خیال کیا کہ کیون ایک خفیہ
 معاملے میں اور وہ بھی ایسا جو اُسی کی ذات سے متعلق ہے اور
 جس میں اُسی کو نباہنا ہو گا میں دخل دیکر شاہِ علامت ہوں۔

یہ کہہ کر تینوں تناؤں طعام کے لیے روانہ ہوئے اور دسترخوان
 پر بیٹھے۔

پیر مرد۔ آج دسترخوان کا نغیبا جاگا ورنہ اکثر میز ہی پر آپ براجا
 کرتے تھے۔

نواب۔ نہیں کبھی یہ اور کبھی وہ۔

قلندر۔ جاہیہ بھی یہی۔

پیر مرد نے جیب سے ڈبیا نکال کر انیون کھائی۔ اور ترلوائے
 اڑانا شروع کیے۔

نواب۔ (قلندر سے) اُستاد! صبح کو میں آپ سے پوچھنا چاہتا تھا۔ کہ ازل اور ابد کے معنی اصطلاحِ صوفیہ میں کیا ہیں۔ لیکن ہمارے حضرت ربیر مرد کی طرف اشارہ کر کے (یہ کیا تشریف لائے سارا مزہ کر کر رہو گیا۔

پیر مرد۔ واہ یہ نہیں کہتے کہ ابد دولت و اقبال کے باعث اس وقت آپ خوش خوش چکنے پھڑے لے لے اڑ رہے ہیں یہ تو فرمائیے کہ آپ کو اور رفیق صاحب کو آجکل تصوف کا شوق کیوں چڑیا؟
نواب۔ بھئی دانشمندی تصوف کا قائل نہ تھا مگر جیسے جیسے میں اسکے نکات سے واقف ہوتا جاتا ہوں میری دلچسپی بڑھتی جاتی ہے قلندر۔ جسے پیدا ہو کر اس علم سے فائدہ نہ اٹھایا اور عملاً اس کا کچھ نتیجہ حاصل نہ کیا اسکی زندگی بیکار ہے۔

نواب۔ مجھے بالکل اتفاق ہے۔

قلندر۔ (نواب سے) مان فرمائیے کہ کیا سوال تھا آپ کا۔

نواب۔ ازل اور ابد کے معنی اصطلاحی عرفان اور صوفیہ کے نزدیک کیا ہیں۔

قلندر۔ ازل مرتبہ ذات ہے اور ابد مرتبہ صفات۔ وجود اور عدم کے اصطلاحی معنوں میں بہت فرق ہے۔

نواب۔ وہ کیا

قلندر۔ وجودِ ظہور ذات با اسما و صفات کو کہتے ہیں۔ اور عدم کتمان اسما و صفات در ذات کو۔ اور یہی وجود جو ظہور ذات ہے بہت محض ہے۔ اور ظہورِ ظہور اسما۔ غور کا مقام ہے کہ جب وجود و ظہور کی یہ معنی ہیں تو پھر ہم کہاں رہے۔ مگر اللہ اللہ سید علی ہمدانی کا ایک شعر یاد آگیا کیا خوب کہا ہے۔

ظہور تو بین است و وجود من از تو
فَلَسْتُ تَظْهَرُ لَوْ لَا لَيْ لَوْ لَأَكُنْ لَوْ لَا

سبحان اللہ میان کے بھی کیا رنگ ہیں۔ واللہ بہرہ دہیہ کا ٹھاٹھ ہے۔ ہر وقت ایک نیا سوانگ ہے۔ اسپر بھی۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَظِيمٌ کا حکم ہے۔

نواب۔ اُستاد پھر یہ کیا جھگڑا ہے۔ کافر و مومن کا۔ اسلام کو تیرہ سو برس ہو چکے۔ مگر اسکا فیصلہ نہوا کہ دراصل کافر کون ہے اور مومن

نہ تو ہم۔ ظاہر
ہونا تو اگر نہ ہوتا
میں نہ تو ہم
اگر نہ ہوتا تو

لے اور اللہ
کی ہر ذرہ پر
ہے

کون۔ اسلام میں بھی بہتر فرق ہیں۔ اور ہر ایک اپنے کو ناجی کہتا ہے۔ اور ایک دوسرے کو اپنے مقابلے میں مردود اور کافر سمجھتا ہے تو پھر دوسرے مذاہب کا کیا شمار

پیر مرد۔ آئین وہ کون مسلمان ہوگا جو مسلمان کو کافر کہتا ہوگا۔
نواب۔ شیعوں سے پوچھیے کہ دل سے وہ سنت جماعت کو کو کیا سمجھتے ہیں۔ اور آپ اپنے دل سے پوچھیے کہ شیعوں کی نسبت کیا خیال ہے۔

قلندر۔ خیر جسکا جو جی چاہے کہے۔ مگر حقیقت میں یہ ہے کہ ^{۱۵}وَمَنْ كَفَرَ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمَنْ كَفَرَ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ۔

مذاہب کی تعداد جب قدر بڑھے گی۔ اُسی قدر ایسے جھگڑے ہوتے جائیں گے مگر قدرت میں دخل کسکو ہے۔ اُسکو خود منظور ہے کہ لوگ جھونک رہے۔ بِمِصْدَاقِ الطَّرِيقِ إِلَى اللَّهِ بَعْدَ أَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ۔
پیر مرد (قلندر سے) باتیں بہت بگھار رہے ہو۔ مگر ہمارے سوال کا

۱۵ ترجمہ اراحمین میں سے کافر اور تمہیں میں سے مومن ہیں ۱۶۔

۱۶ ترجمہ اللہ کی طرف کو راستے اتنے ہی ہیں جتنے مخلوق کے نفوس ہیں۔ ۱۷۔

جواب دو جب جانیں ہر ایک چیز کے لیے کئے وجود ہیں۔
 قلندر۔ اللہ اللہ۔ مینڈکی راز کام پیدا شد۔ سبحان اللہ سوال
 بھی کیا بھاری کیا۔ واللہ صدقے جائے آپ کی عقل کے۔
 پیر مرد۔ کیوں کیا بیوقوف ہیں ہم۔ جب جواب نہ سوجھا تو اناپ
 شتاپ بکنا شروع کر دیا۔
 قلندر۔ درست بجا ارشاد ہے۔

نواب۔ (قلندر سے) استاد سوال کا جواب دے دیجیے نا
 قلندر۔ بہت خوب (پیر مرد کی طرف متوجہ ہو کر) سئو میان اول
 تو یہ شعر جو آپ ہی کے لیے کسی شاعر نے موزون کیا ہے۔ سن
 لیجیے۔

نَسْلُ الْمَصَانِعِ رُكْبَاتِهِمْ فِي لُغُلُواتِ

تو قدر آب چہ دالی کہ برکتِ رفائی

اب سنیے۔ ہر شے کے لیے چار وجود ہیں۔

(۲) وجودِ عینی

(۱) وجودِ دہنی

۱۵ سوال کہ تو چشمون کا ایسے سواروں سے جو پیاسے سرگردان ہیں جنگلون میں۔ ۱۲

(۳۳) وجود لفظی (۳۴) وجود کتبی

پیر مرد - واللہ بات تو ٹھیک بتلائی۔ میں نے خیال کیا تھا کہ قلندر کا ہار فقط دیکھنے کا ہے۔ مگر نہیں ظالم ہے کام کا۔

قلندر - آداب عرض پیر و مرشد - سرفراز ہوا۔

پیر مرد - ارے میان قلندر - یہ تو بتلاؤ کہ جہان ہم تھے وہاں تو ہم نے تمہاری صورت بھی نہیں دیکھی تھی - پھر یہاں کیوں کر آ موجود ہوئے۔

قلندر - ہنکر بندہ تو وہاں تھا۔

من آن وقت بودم کہ اسما بنود

نشان از وجود مستی بنود

پیر مرد - خوب - اب نواہ بھی بڑھ گئے ذرا چوبنج سنبھال کر

سنا نہیں کہ منصور کا کیا حال ہوا

قلندر - کیا ہوا - معراج نصیب ہوئی۔

نواب (قلندر سے) یہ تو فرمائیے اُستاد کہ ہمارے قرآن

میں چار کتابوں کا ذکر ہے اور چار ہی پیغمبر صاحب کتاب مانے

جاتے ہیں۔ باقی جو اور پیغمبر دوسرے اقوام میں ہوئے ہوں گے اور اُن قوموں کو بھی دعویٰ ہے کہ ہوئے ہیں تو پھر اُن کی نسبت صوفیہ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔

قلندر۔ صوفیہ مانتے ہیں اور کیوں نہ مانیں قرآن خود شاہد ہے اس کا کُلِّ اَمْنٍ بِاللّٰهِ وَہٗ لَا تَکْفُرُہٗ وَکُتِبَہٗ وَرُسُلُہٗ لَا تُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔ یہاں تو حکم ہے کہ جب قدر رُسل ہوئے ہیں۔ اُن میں فرق نہ کرو۔ علاوہ اسکے سمجھ میں بھی آپ کی بات ہے کہ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ جَعَلْنَا لِكُلِّ مِّنْکُمْ مَّشْرَعًا وَمِنْہَا جُلٌّ پیر مرد۔ سچ ہے بھئی ہم بھی مانتے ہیں اور کیوں نہ مانیں کہ ہمارے شیخ حضرت عنوث علی شاہ مرحوم فرماتے تھے کہ کل اقوام میں جو ایک ہادی ہوتا آیا ہے اسکو پیغمبر کہنا بیجا نہیں۔ اس لیے کہ پیغمبر اُسی کو کہیں گے جو خدا کی توحید کی اشاعت کے لیے مقرر کیا

۱۷ ترجمہ۔ سب نے مانا اللہ کو اور اُس کو فرشتوں کو اور کتا بون کو اور رسولوں کو۔ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اُسکے رسولوں میں۔ ۱۸ ترجمہ۔ ہر قوم کے لیے ہے راہ بتا دینا والا۔

۱۹ بتائی ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریع اور ایک راہ۔ ۲۰

گیا ہو۔ باقی تو جھگڑے ہیں۔ موت کے بعد فیصلہ ہوگا کہ کیا معاملہ قلندر رہے تو یوں ہیں۔ کہ موت کے بعد معلوم ہوگا۔ مگر موت ہمارے نزدیک ہے ہی کیا۔ مرفع ہونا تعینات سے یا دوسری معنی یہ سمجھو کہ تجرہ اور غنا اور حسیہ اور اشغال دنیوی سے۔

پیر مرد۔ ارے بھئی یہ بعض بعض فرتے کچھ ایسے دہریے ہیں کہ ان باتوں کو مانتے نہیں۔ جی چاہتا ہے کہ اُن کی خبر لون۔ اور کچھ نہ بن پڑے تو خوب بے نقط سنا کر جی ٹھنڈا کروں۔

قلندر۔ خبر دار ایسی بے وقوفی نہ کرتا۔ تمہیں اس سے کیا۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ پیہر تو سب کو اپنا ہم خیال نہ کر سکے تم کس کھیت کی مولیٰ ہو۔ اب ہر کسی کو بُرا کہنے کو جی چاہتا ہے تو اس میں خوبی کیا ہوئی۔ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اُسکے قبضہ قدرت میں ہے ہرایت و صلاست بر این ہم نہ سمجھ کر کسی نے کسی کو بُرا کہا تو گویا اپنے آپ کو کہا۔

۱۷ ترجمہ۔ کوئی نہیں پاؤں دھو نہ لاکر اس کے ہاتھ میں سے جوٹی اٹکی بیشک برابر ہے سیدھی راہ پر۔

وَرَأَى قَتْنِي ۚ اِلَّا يَسْتَعِجُ بِمَحْمَدٍ ۝ - اس کے معنی ایک وقت پیر و مشر
 قبلہ فرماتے تھے کہ کوئی چیز اپنے خدا کی تسبیح خوانی اور حمد سے خالی
 نہیں۔ چونکہ ذات حقیقت ہے دو جہان کی۔ اس لیے اگر کسی کو
 برا کہا تو گویا اپنی ہی برائی کی۔ اور تعریف کی تو اپنی۔
 مولانا فرماتے ہیں۔

ظِلِّ ارواحِ اندا شباحِ ہمہ ظِلِّ اعیانِ اندا ارواحِ ہمہ
 باز اعیانِ ظِلِّ اسما حقِ ند باز اسما ظِلِّ ذاتِ مطلقِ اند
 گردِ بد استی کہ ظِلِّ کیستی فارغی گر مردی و گر زستی

نواب۔ انشا اللہ۔ آپ کی معلومات تصوف میں بہت بڑھی ہوئی
 ہے الحمد للہ جو وقت گزرا بہت اچھا گزرا۔ اور ہم مستفید ہوئے۔
 قلندر۔ اللہ خوش رکھے۔ آپ کی مزاج میں تلاش ہے انشا اللہ
 جو بندہ یا بندہ۔ اب خاصے سے سب صاحبوں نے درخواست کی
 اور قلیان کشی کے بعد نواب محل میں سد ہارے۔ شب بخیر۔

—۵*۱۰—

۱۵ اور نہیں ہے کوئی شے لیکن تسبیح کرتی ہے اس کی حمد کی ۱۲

نواب کے گھر لکھ

اس وقت ٹھیک ساڑھے چار بجے ہیں۔ آفتاب جہان تاب اپنے آسمان کے تین حصے کا دورہ ختم کر چکا ہے۔ اب اسکی شعاعوں میں کسی کے نیر اقبال کی طرح گرمی بڑھتی جاتی ہے مگر جنتِ عدد کی مانند اس کا رنگ پھیکا پڑ رہا ہے۔ اور کسی عاشقِ دلگیر کی مانند گیت میں زردی مگر سُہرا بن لیے ہوئے زیادہ ہو رہی ہے ایسے وقت میں ہمارے ہیر و نواب ذی شان کے گھر میں احباب کا جھگڑا ہو۔ حسبِ معمول سب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہیر و نواب اس جلسہ کے صدر نشین ہیں۔ اور حسبِ ذیل تقریر کر رہے ہیں۔

حاضرین۔

آج کے روز جس غرض سے آپ صاحبوں کو تکلیف دی گئی ہے غالباً وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ کو خوب معلوم ہو گا کہ غرہ رمضان ۱۳۲۶ ہمارے پیارے محبوب البلاؤ کی آبادی کے

تباہ کرنے میں ایک قیامت کا دن تھا۔ یہ دن صدیوں
 تک تاریخ کے صفحوں میں سیاہ حروف کی گھنگور گھٹا بکر مطلع امید پر
 چھایا رہیگا۔ اور ہمارے آئندہ نسلوں کے نازک دلوں پر
 جھٹون نے آرام و آسائش کے سائے میں پرورش
 پائی ہوگی بچ و غم کے اولے برسائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ
 اس قیامت خیز طوفان کے باعث ہمارے شہر کی رونق پھیکی
 پڑ گئی۔

یا تو اس ملک کے ہونہار و فزیب چوہن پر ایک عالم کی آنکھیں
 فدائی اور والدہ شہید تھیں۔ اور اسکے حسنِ خدا داد کو دیکھ کر انہی
 کے مانند محو حیرت بن جاتی تھیں۔ یا اب وہی ملک ہے کہ
 اسکے اطراف و اکناف میں سوا کھنڈروں کے جو نا امیدوں
 کے ٹکڑوں کی طرح کبھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خوشنما منظر کا
 میلون پتا نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب مکانات کی رونق پر
 پانی پھر گیا تو ان مکانات کے مکین فی صدی دس ہاتھ پاؤں
 مار کر اس طوفانِ عظیم کے نہنگ آسادہن سے بچ کر نکلے ہونگے

کیا یہ یقین ہو سکتا ہے کہ اس سے زیادہ جانوں نے موت کے
 پنجے سے نجات پائی ہو۔ نہیں نہیں۔ تقریباً چار پانچ ہزار مخلوق
 خدا زن و مرد۔ جوان۔ بوڑھے۔ بچے مع اثاثہ و زیور
 اور روپیہ پیسہ وغیرہ ہمیشہ کے لیے غریقِ رحمت ہو گئے۔ اس
 آفتِ آسمانی کے نازل ہونے سے مخلوق کی سر اسیمبلی اور آہ و زار
 پر وہ نشین نیکبخت بیبیوں کی کوچہ گردی جن کے تلوں
 نے اپنے گھر کے مردانہ کے دروازے کی خاک کو بھی مس نہ کیا
 ہو گا دل کے ٹکڑے کیے دیتی تھی۔ اور ہر ایک کی آنکھوں میں
 غم و الم کا ایسا ابر چھایا ہوا تھا کہ دنیا نظر دن میں تیسرہ و
 ہمارے ایک ہو گئی تھی۔

ہم لوگوں کو یقین ہو گیا تھا اور بڑے بڑے دانشمند اس
 حادثہ کے باعث اپنی رائے قائم کر چکے تھے۔ کہ اب شہر کی حالت
 نازک ہو گئی اور اس کی ترقی کے آفتاب کو خدا نخواستہ
 زوال دیکھنا نصیب ہو گا۔ اور ریاست اس آفتِ آسمانی کا
 کوئی بدلہ نہ کر سکے گی۔ اور رئیس خدار کے ہمارے محبوب بادشاہ

بارِ امانت کے ساتھ اس دُکھ کے ہوجھ کو بھی سبغِ مال نہ سکے گا سیدیر
 کے نشان نقش قدم کی طرح مٹ جائیں گے اور واقعی اس وقت کا
 سمان ایسا ہی تھا کہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں اس میں مبالغہ کرنے کا
 ذرا بھی رنگ نہیں ہے۔ لیکن لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ۔ لاکھ لاکھ
 شکر ہے اُس خدا سے کریم درجیم کا بمصدقِ رحمتی وسع علی
 غضبی۔ سولی کی بلا کا نئے پر گئی۔

یہ سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ ہوا وہ ہمارے بُرے اعمال کی سزا کچھ بھی
 نہ تھی۔ ورنہ ہمارے اعمال ہکوڑ بونے کے لیے ہر طرح سے مستعد
 ہو چکے تھے۔ اس وقت فضل الہی ہمارے آٹے آیا کہ ہماری
 کشتی کو اُس طوفان کی منجید ہمارے کنارے لگانے کے لیے
 ایک ایسے ناخدا کو چالیس سال پہلو ہی سے خلق کر کے ہماری جان
 و مال کا محافظ بنا دیا جسکی ہمیں اصلاً قدر نہ تھی۔ وہ کون ناخدا ہے
 یہ وہی ناخدا ہے جو محبوب القلوب ہے یعنی فتح جنگ

۱۷۔ ناامید نہ ہو تم اللہ کی رحمت سے ۱۲

۱۸۔ میری رحمت میرے غضب سے وسیع ہے۔ ۱۲

نظام الملک آصفیہ سادس نواب میر محبوب علی خان
 بہادر تاجدار دکن نصیبیہ کا سکندر خاندان آصفیہ کا انمول
 گوہر۔ اقبال و اجلال کی گودون میں پلا ہوا۔ دولت
 کے گہوارے میں جمولے ہوئے۔ صداقت اور حقیقت
 کے مدرسے میں تعلیم پائے ہوئے۔ عقل کا تاج زیب فرق کیے
 ہوئے رفعت اور علو کے مرتبت کے تحت پر
 بیٹھنے والا۔ جسکی عقل کے دربار کے اراکین۔ متانت
 خاموشی۔ تحمل۔ عدل و انصاف کھوئے ٹکڑے کے
 پر کھنے والے اُسکے مشیر۔ امید اُسکی دولت کی باندی۔
 سخاوت اُسکے دستِ کرم کی ایک لکیرِ قدر دانی اُس کے
 آفتابِ جوہر کی ادنیٰ ضو قسمت اُسکے آسمانِ بخت کا
 ایک نیرِ سلطنت کی داغ بیل اُسکے قدموں سے سہنر
 قصرِ سلطنت کی بنیاد اُسکی حکمتِ امیرِ راے زرین
 کے طفیل سے مستحکم۔ مالِ اندیشی اُسکی دُور بین فتح و نصرت
 اُسکے جلو کا پرچمِ شفقت دل کا پتہ راستی زبان کا ادنیٰ معجزہ

شجاعت ظفر آب طبع کا ادنیٰ جوہر۔ غرض ایسے مجمع صفات
 بادشاہ ظل اللہ کو ہماری ڈوبتی کشتیوں کا ناخدا بنانا کوئی معمولی
 بات نہ تھی۔ رعایا پروری کا ثبوت اُن سے بڑھ کر اس زمانے
 میں کوئی تاجدار نہیں دے سکتا۔

الغرض ہمارے بادشاہ ظل اللہ اپنی پیاری رعایا کی
 مصیبت سے جس قدر متاثر ہوئے۔ اور اُسکی خبر گیری میں جو مستعدی
 اُن سے بہ نفس نفیس ظاہر ہوئی وہ اور کسی سے ممکن نہ تھی۔
 اعلیٰ حضرت کے مراحم کی بارش نے سُوکھے ہوئے دلوں کو
 سرسبز اور شاداب کر دیا۔ ملازمانِ اقدس کی ہمت نے
 جو کوہِ شکمیں ہے رعایا کی جانوں کو بچانے کے لیے کمر مضبوط
 باندھی اور دستِ کرم نے خزانوں کے منہ کھول دیے۔
 شفقتِ شاہی نے حکم دیا کہ بے دریغ روپیوں کا منہ برباد
 اور اس طوفان کے مصیبت زدوں کو مالا مال کر دو۔ پھر کیا تھا۔
 چاروں طرف لنگر خانے مقرر ہو گئے۔ ہزار ہا پلے کھانا روزانہ
 پک کر تقسیم ہونا شروع ہو گیا۔ اور دسترخوانِ کرم شاہی سے

ہزار مابھو کے سیر ہونے لگے۔ اور ننگوں کو تن پوشی کے لیے
 پارچہ اس قدر محنت ہوا کہ حبیب و دامان کو پیوند لگانے کے لیے
 بھی ایک پارہ ملنا مشکل ہو گیا۔ آپ کے صلح کل مشرب نے
 کافرو مومنین کو ایک گھاٹ پانی پلایا۔ اور یقین دلایا اور ثابت
 کر دیا کہ ایسا فیہ متعصب اور خدا ترس بادشاہ ان صفات سے موصوف
 دکن کو آج تک میسر نہیں ہوا۔

آدم برہمہ مطلب۔ بہر حال ہمارے پادشاہ ذبیحہ نے اپنے
 امکان بھر اپنی رعایا کے نقصان کی تلافی کے لیے کوئی تدبیر
 اٹھانہیں رکھی۔ بجز اسکے کہ جانوں کی تلافی میں جو افتداری بشر سے
 خارج ہے آپ بھی مجبور ہیں۔ آئندہ بھی آپ ہی کی مہمت کی بدولت
 خدا برکت دے۔ اس ملک کی رونق پھر ویسی ہی ہو جائے گی
 جس طرح پہلے تھی مگر ہم جاشارون کو چاہیے کہ ایسے وقت میں جبکہ
 ہمارا بادشاہ بذات خود ہم لوگوں کے واسطے دامے درمے
 سننے۔ ہر وقت دست گیری اور امداد کے لیے آمادہ ہے ہم بھی
 حصہ لین۔ اور اپنے خدمات سے ملک کو فائدہ پہنچائیں۔

لہذا میں امیدوار ہوں کہ آپ لوگ اپنے ملک کی مصیبت زدہ مخلوق کے لیے چندہ دینے میں عالی ہمتی ظاہر فرما کر اس بندے کو ممنون منت فرمائیں گے۔

اس وقت ہم جو کچھ خدمت کریں گے یہ دراصل غیر کی خدمت نہیں ہے اور نہ کسی غیر کی امداد۔ بلکہ یہ یقین کر لینا چاہیے کہ ہم اپنی آپ مدد کر رہے ہیں۔

اب میں اپنی تقریر کو مختصر کر کے اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ کہ رب الکریم ہمارے بادشاہ اور شاہزادوں اور شاہزادیوں کے عمر و اقبال میں ترقی دے۔ اور ایسے ہی عدل و انصاف اور رحم اور مکارم کے ساتھ عمر دراز پائیں۔

ما از تو بر خوریم تو از عمر بر خوری

میں دوبارہ آپ صاحبوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے بڑی مہربانی کی جو اس قدر دُور دراز مقام پر تشریف لاکر ممنون منت فرمانے کے علاوہ اپنے ملک کے ساتھ اظہارِ ہمدردی فرمایا۔ اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد خوشی کے نعرے بلند ہوئے۔

اور چندے کی فہرست کھولی گئی۔

میاں نصیر جو ہمارے ہیرو کے فرزند ارجمند ہیں انہوں نے
چندہ دینے میں اپنی فراخ جو صِلگی کا اظہار کیا۔ اور باقی حاضرین نے
بھی اپنے اپنے حوصلوں کا جوہر دکھایا اور سخاوت پر کمر باندھی جسکے
باعث ایک معتد بہ خلافتِ توقع چندہ اس چھوٹی سی مجلس میں جمع
ہوا اور اس کے بعد جلسہ برخاست۔

میدد صبح کلمہ بستہ سحاب

الصبوح الصبوح یا احباب

صبح بہار

آج کی مبارک صبح ہمارے ہیرو کے فرزندِ دلہند میاں نصیر کے
لیے نہایت مبارک ہے۔

آفتابِ برجِ مسرت شادمانی کا ارغوانی لباس پہن کر بصد کلمہ رانی
جلوہ افروز ہوا ہے۔ اسکی شہری دل لہجھانے والی کر بون میں جوش
مسرت کے باعث کسی قدر تیزی ہے۔ اور یہ آبدار شعا عین

بانگی اداؤن کی طرح چمکتی جاتی ہیں۔ اسکی خوشگوار گرمی جو سردی کا پہلو لیے ہڑے ہے بنی نوع انسان اور وحوش و طیور کو فرحت بخش رہی ہے۔ اور شبنم کو جو تمام شب گلوں کے رخسار اور پتوں کے دامن پر اپنے جو بن کا لطف بہار دکھا رہی تھی اب یہ گرمی اپنے جذب مقناطیسی سے حرف غلط کی طرح مٹاتی جاتی ہے۔

اب ان کرنوں کی جھلک پھولوں کے عارض پر غازی کا کام کر رہی ہے۔ اور ان متوالے مست سرشار پھولوں کو جو اپنی اپنی گردنیں جھکائے ہوئے کسی آتشین رخسار کے تصور میں مراقبہ کر رہے تھے۔ ہوشیار کر رہی ہے۔ طیور بفطر شادمانی اپنے خالق بیچون و بیچگون وحدہ لاشریک کے کرم اور اسکی مہربانی پر کلیلین کرتے ہوئے اور اپنی اپنی زبانوں میں خوش الحانی اور سریلے نعمتوں کے ساتھ ورختوں کی ٹہنیوں کو مسند گاہ بنا کر پاک پرور و گاہ بے نیاز کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کر رہے ہیں۔

امیر فقیر اپنے اپنے گھروں سے بار بہاری کی طرح نخل کر راستوں سے گزر رہے ہیں۔ باغبان کیاریوں میں پھولوں کے اشرار کو

لیے نوارون کے ذریعے سے پانی پہنچانے میں مصروف
ہیں۔

نوجوان حسین دلفریب پھولون کے درختوں کے پاس جمع
ہیں۔ تاکہ اُن کو گلہ ستر کی شکل میں مرتب کر کے کسی کے سامنے
مبارک باد کی تقریب میں پیش کریں۔ اور کچھ کسی عروس اور نوشتہ
کے لیے مبارک سہرون کے گوند ہٹنے کی فکر میں ہیں۔ اور آپس
میں چہلین کرتی ہوئی مذاق دل لگی سے بلبُلون کو مشراہی ہیں
اور ستانہ لہجے میں گا گا کر کلیان چنتی جاتی ہیں۔ اور ایک دوسرے
کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہتی ہیں۔

گوندہ لاری مالن پھولون کا سہرا
آج بنا بنری کو مبارک ہو

برہمن لپٹنے اشنان سے فارغ ہو کر ٹوکر سی ہاتھ میں لیے ہوئے
کیاریون میں پھر رہے ہیں اور اُن کلیون کو چُن رہے ہیں جو پھولون
کی سچ سے گل و بلبل کی ہاتھ پائی کے باعث جدا ہو کر تمام رات
تار۔ بے گن گن کر کیاریون کے فرش پر کروٹیں بدلتی رہی ہیں۔

یہ کلیان شوالون میں بتون کے گلے کا ہار ہونیوالی ہیں۔
 ایسے مبارک وقت میں ہمارے جگت نانا - طرافت کے پتھر
 میان نصیر کے باغ کے دروازے پر نیم کے جھونکے کی طرح
 آہو پونچے۔ اور باتگفت اُس محل کے دراندے میں جا برابر ہے۔
 جو میان نصیر کا دولت خانہ ہے۔ اور یہاں تھوڑی دیر کے بعد
 وہ رشک آفتاب اپنے مطلع الیوان سے جلوہ افروز ہونے لگا
 ہے۔ میان نصیر کے خاندان نے جگت نانا کو جو دیکھا فوراً دوڑ
 آیا۔ اور بہت ہی ادب سے سلام کر کے کہا۔ کیا عرض کراؤں کہ آپ
 تشریف لائے ہیں۔

پیر مرد۔ نہیں صاحب ابھی کا ہی کو عرض کراتے ہو۔ ابھی دو چا
 پہر ہمیں سوکھنے دو۔

خاندان۔ کیا نانا خا ہو گئے اتنی ذرا سی بات پر ایسا ہوا تو
 ہماری زندگی کیونکر ہوگی۔

پیر مرد۔ بھلے آدمی۔ پھر یہ پوچھنے کی کونسی بات تھی جبکہ تم مجھ پر خود
 دیکھ رہے ہو کہ میں آیا ہوں تو عرض کرنے کے لیے مجھ سے اجازت

یہنے کی ضرورت کیا تھی

خانسان۔ ابھی عرض کر داتا ہوں معاف فرمائیے۔ مگر نانا یہ تو فرمائیے کہ بیٹا یا بیٹی۔

پیر مرد۔ یہ معنی میں سمجھا نہیں۔

خانسان۔ واہ پیر مرد مرشد۔ مجھ غلام سے بھی راز۔ اتنا بڑھا گیا

(نصیر کے والد کی طرف اشارہ کر کے) میان کے والد کو گودون کھلایا

اور خدا عمر دراز کرے۔ صاحبزادے کو (یعنی میان نصیر کو) گودون

کھلایا۔ اور آپ بھی دیکھتے آرہے ہیں کہ یہ غلام جان نثار راز دار

رہا ہے۔ پھر غلام ہی سے اگر باز رہے تو بس آپ کی قدردانی محال

معلوم ہو چکا۔

پیر مرد۔ ارے میان عرض تو کرواؤ۔ یا باتیں ہی بگھا رو گے۔

بھلا سپاہی کسی کام میں جائے اور فتح نہ پائے۔ بیٹی کیا معنی۔ بیٹا۔

بیٹا۔

خانسان۔ (بفطرت اچھل کر) الحمد للہ۔ پیر مرد کے قدم

چوم کر کیا کہنا نانا۔ اللہ تعالٰیٰ سوا سوسے سلامت رکھے۔

پیر مرد - آئین - نوٹری کے قریب تو ہمارا سین ہی ہو گیا۔ سوا سو برس
خواہ مخواہ جیتلیے۔ پھر تمہاری دعا کس کام کی۔ یہ کہو کہ آج کی تاریخ سے
سوا سو برس۔

خانسان - تو بہ تو بہ معاف کیجیے۔ آج کی تاریخ سے سوا سو
برس۔

پیر مرد - (دونوں ہاتھ اٹھا کر) آئین اللہ تمہاری دعا قبول کرے
خانسان نے دوڑتے ہوئے جا کر۔ کال بل (یعنی برقی گھنٹی)
بجائی اور ماما کے محل میں سے آتے ہی کہا کہ سرکار سے جا کر عرض
کر دو کہ جگت نانا آئے ہیں۔ سرکار جلد برآمد ہوں۔
بڑھیا ماما - کیوں۔ ایسی کیا جلدی ہے۔ (آواز سے) بیٹھنے دو
بڑھے موے کو۔

پیر مرد - کیوں رمی نگینہ۔ یارون کو موا کہتی ہے۔
نگینہ - کس کامیاں۔ اپنی جو رو کا میاں ہو گا۔
پیر مرد - پہلی جو رو تو تو ہی ہے۔ فرشتوں نے عقد پڑھایا تھا۔
نگینہ - چل بڑھے آؤ۔ کیا بکتا ہے۔ چوچ نبھال۔

پیر مرد - تجھے چھیڑ کر گالیاں سُسنے کو جی چاہتا ہے۔ بخدا تیرے
منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔

نکیینہ اچھا ٹھہر۔ مرہ بتاتی ہوں یہ کہہ کر اندر گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد نصیر با تو قیر باہر برآمد ہوئے۔ مصباحین
اور حاضرین ادب سے آداب بجالائے۔ پیر مرد نے دعائین دین

نصیر - (پیر مرد کی طرف مخاطب ہو کر) نانا کو سلام ہے۔

پیر مرد نے جھمک کر سلام کیا۔ اور دعائین دین۔

نصیر - پیر مرد کا ہاتھ پکڑ کر پراپیٹ روم میں لے گئے۔

پیر مرد - کیون میان نصیر! تم برجے باتقدیر ہو۔ اللہ کرے تمہارا
اقبال ایسی ہی اوج موج پر رہے۔ تمہارے اور ارادے بھی
ایسی ہی خدا برلائے۔

نصیر - (خوش ہو کر) الحمد للہ۔ نانا اس وقت تم نے جی خوش کر دیا۔
مگر خدا کے واسطے جلد کہو کہ والد نے کیا فرمایا۔

پیر مرد - اجی میان۔ تمہارے والد تو بہت ہی بگڑے تھے۔ مگر
خدا کی قسم میں بھی جان پر کھیل گیا۔

نصیر - مجھے یقین تھا کہ یہ کام آپ سے نکلیگا۔

پیر مرد - یہ تمہاری قدردانی۔ اور میرے سپاہی پن کا رعب (موجھوں پر تازہ دیکر) اللہ آخر سپاہی زادہ اور ہاشمی النسل ہوں اور جگت مین ایک۔

نصیر - بیشک۔ ہر کہ شک آرد۔۔۔۔۔

پیر مرد - بس میان۔ تمہارے والد کے انکار نے تن بدن مین آگ لگا دی۔ مین بھی نفل در آتش ہو گیا۔ آنکھوں سے چنگاریاں اڑنے لگیں۔ دل تو سے کی طرح جلنے لگا۔ اور کلیجا غصے کی گرمی سے دہکنے لگا۔ دماغ مارے گرمی کے آفتاب نصف النہار کی طرح تپنے لگا۔

نصیر - واہ نانا کیا ضلع جگت کہہ رہے ہو۔ واللہ موتی پر دتے ہو۔ پیر مرد - میان۔ عالم فاضل ہوں۔ کو دون دیکر تعلیم نہیں پائی۔ میرے استاد بڑے جید عالم تھے۔ مگر میری لیاقت کے لوہے کو مانتے تھے۔ کہتے تھے کہ میان تیرے علم کی تیج اچھے اچھوں کو مقابلی مین زیر کر دے گی اور جو منہ چڑھیکا کھیت رہیگا۔ تیری تلواری کی ہار

حریف کے گلے کا مار ہوگی۔

نصیر۔ یہ بھی خوب۔ مگر شد تر سائے نہیں فرما دیجیے کہ آخر کیا ہوا۔
 پیر مرد۔ کیا ہوا۔ بہت کچھ تمہارے والد نے اڑن گھائیان
 بتائیں مگر بندے نے ایک نہ مانی۔ آخر جب مجھ سے تنگ آ گئے
 تو قلندر اور رفیق سے مشورہ کیا۔ رفیق تو نوجوان لڑکا کچھ کہہ سکا
 مگر قلندر گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے۔ صاحب جو ہر خواہ بہت
 طبیعت کا تیز گرم و سرد زمانہ کی سان پر چڑھا ہوا۔ اور پھر لف اٹھی
 میں اُستاد کیا بلکہ شمشیر برہنہ۔ خنجر کی چال چلنے والا۔ ایک زمانہ اُسکا
 بھی لوہا مانتا ہے۔ وہ وہ جوڑ توڑ کیے کہ ہر بات نشتر۔ اور ہر
 فقرہ خنجر تھا۔ آپکے والد کے بھی اوسان خطا ہو گئے مگر میں بفضلہ
 تعالیٰ کہیں نہ چوکا بات بات میں نوک کی لیتا رہا۔ اپنے دل میں
 میں نے یہ سمجھ لیا کہ بہت ہوا یہ تلوار کی طرح کھج جائیں گے تو کیا۔
 میں بھی اپنی بہادری کو سپر بناؤں گا۔ آخر یا تو سر نہیں یا سر وہی نہیں
 لیکن میان۔ قربان اپور مشد کے انھوں نے دعا سے سیفی کی اجازت
 دی تھی۔ اُسکا ورد کرتا ہوا گیا۔ الغرض جب کسی طرح کوئی داؤ پیچ نہ

بن پڑا اور ہر بات اُن کی کٹتی گئی اور کوئی وار گلے کا ہار نہوا۔ تب
 تو گھبرا کر میان مٹھواندر زنا نے مین سدھارے۔ خدا تمہاری والدہ
 کو سلامت رکھے وہ بھی اللہ رکھے پٹھان کی دختر۔ میان کے
 دم مین نہ آئیں۔ آخر اس چال ڈھال سے گفتگو کی کہ تمہارے
 والد کے دل پر خدارکھے بیگم صاحبہ طال عمر کا قبضہ ہو گیا وہاں سے
 بھی نڈھال ہو کر باہر آئے ہم دونوں سمجھ گئے کہ میان وہاں بھی گھٹا
 مین رہے۔ لیکن بہت ہی کوفت اُٹھائی۔ چہرے کا رنگ سُرخ
 ہو گیا۔ آنکھوں کے گلابی ڈورے ہمارے اوسان کو قتل کرنے
 پر آمادہ ہو گئے تھے۔ بارے ہم نے مصالحت وقت سمجھ کر زیادہ
 بھڑکا کر طبیعت کو سان دیکر اور تیز کرنا مناسب نہ جانا۔ تمام دن ادھر
 وہ بھی خاموش رہے اور ادھر ہم بھی سمجھ گئے کہ معاملہ سنگین
 رہے اور میان جی بھرے بیٹھے ہیں ایسا نہ ہو کہ نفع درکنار ٹوٹے
 مین رہیں۔ باندہ بیرکانٹا خطا کر جائے یا تقدیر کی رنجاک
 کو لوہا چاٹ جائے۔ شام تک دم سا دھسے رہے مگر بوڑھوڑ کرتے
 رہے کہ وقت پر نشا نہ جواب کا خالی نہ جائے۔ بارے بفضلہ تعالیٰ

پیروں کی امداد کام آئی۔ پنجتن کی نذرین نے مانی تھی۔ انشا اللہ
 ادا کر دے گا۔ شب گئے آٹھ بجے جب خاصے کے لیے باہر گئے
 تو دیکھا کہ عیدیت کا بلبل پر کھولے ہوئے ہے کچھ چمکنا جا رہا ہے۔
 ہم دونوں پرانے بڑے بھانپ گئے کہ ہمارا دام مین آگیا۔ پھر
 کیا تھا مین نے وہ چکنی چٹری باتیں کیں گویا روغنِ قازل دیا۔
 اور سمجھ گئے کہ طوطی ہاتھ آئی۔ آخر شش بہن کر مجھ سے کہہ دیا کہ
 بھئی تمہارے مثل جان (غٹلین) نصیر کی درخواست ہمیں
 قبول کی۔ جا کر کہہ دو کہ مبارک۔ مین نے اور قلندر شاہ نے دعائے
 دین۔ جہت ویز تک پہل پہل رہی کوئی ارٹائی گھنٹے دسترخوان پر
 بیٹھے رہے۔ قلندر نے معرفت کی دکان کھول دی۔ اس کثرت
 سے اُسے توحیدِ باری کے متعلق بیش بہا مضامین اور احادیث
 اور عربی جملے مثلاً پیش کیے کہ مین تو بس محو ہی ہو گیا۔ مجھے
 اپنی خبر ہی نہ تھی۔ لیکن جب آپے مین آیا تو فوراً ایک سوال
 برپا ہوا۔ اول تو قلندر بہت کچھ بغلیں جھانکا۔ بہت کچھ شکلیں اور
 صورتیں جواب کی ذہن مین تلاش کیں۔ مارے بو کھلا ہٹ کر

رنگ پھیکا ہو گیا۔ لیکن آخر سے استاد۔ سنبھلا کر کچھ جواب دیا اس نامعقول نے معقول جواب دیا۔ اپنے سخن کے قاعدہ کلیہ کو ٹوٹے نہیں دیا لیکن کلام کا طول اور عرض ایسا تبھا گویا شیطان کی آنت۔ بہر حال جزء و کلاً جو کچھ موتی پر دے سب انمول تھے۔

نصیر۔ نانا بڑی مہربانی آپکی اور قلندر صاحب کی۔ جو مجھ ناچیز کے لیے اس قدر زحمت اٹھائی۔ اور مجھے کامیاب ہونے کا موقع دیا۔ مگر اس وقت زیادہ تر لطف آپکی اس بات حیت میں آیا کہ کوئی فقرہ ضلع جگت اور استغاری سے خالی نہ تھا۔ اندر سے حلقے۔ اور ماشا اللہ رمی لیاقت۔ بخدا میں نے کبھی آپکو اس قدر شستہ اور پاکیزہ تقریر کر کے ہوئے نہیں سنا۔

پیر مرد۔ میان تمہاری قدر دانی سے تم سے زیادہ لائق کون ہے تمہاری قدر دانی سے جی بڑھ جاتا ہے۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ مگر اب گیارہ بچا چاہتے ہیں۔ (جہاں لیکر) دیکھو نشہ لٹا۔ بس اب ترنوالے کھلاؤ۔ اور انعام دو۔ مگر یاد رہے کہ قلندر کو کچھ نہ دینا۔ اسکا حصہ بھی مابہ دولت کے ہی نذر کرنا۔

نصیر بہت خوب - قلندر میرے استاد بھی ہیں - فن شعر میں انھیں
سے تلمذ ہے - اُن کے ساتھ احسان فراہی کس طرح کروں -

پیر مرد - یان دوپار روپے دیدو - مگر باقی ادھر - کیون میان اب
کیا دیر ہے چٹ سنگنی اور پٹ بیاہ - جب پیل مند ہر پڑ ہے اُس
وقت ایک ہزار کا توڑا لونگا - اور مابدولت کی بڑ بھیا کا جوڑا پانسو کا -
نصیر نہیں اُن کا جوڑا بھی ایک ہزار کا ہی ہوگا -

پیر مرد - یہ فضول زچہی کام کی نہیں - پانسو کا جوڑا کافی ہے باقی
نفسد علیہ السلام کا خرطیہ ایک ہزار کا اُس کے علاوہ -
نصیر - انشاء اللہ اس میں سرسورق نہ ہوگا -

پیر مرد ایون کھانے گئے اور میان نصیر اپنے والد کی خدمت
میں سپاس نامہ لکھے کے لیے رائینگ روم میں جا کر میز پر بیٹھے -

اس کی بہیا

اس وجود غصیری کی زمین میں قسم قسم کے تخم بُوئے جاتے
ہیں - اور وہ اپنے موسم میں اگر اچھی طرح سے پرورش پاتے

ہیں تو چھوٹ کر ابھرتے اور پھولتے پھلتے ہیں۔ ورنہ کو پین پھین
 مڑ جھا کر رہ جاتی ہیں۔ خصوصاً اس سرزمین کی ہوا اس کی پرورش
 کے لیے نہایت موافق ہے اس کی سرسبزی گلشن روح کے لیے
 باعث تازگی اور موجب زندگی ہے دل ہمیشہ دعائیں دینا ہے
 کہ اس کو خدا سرسبزی نصیب کرے۔

امید و تحقیق ایک رفیق با توفیق اور ہمدم ہے۔ بہر حال
 ہر آن۔ ہر وقت ہر زمانے میں وہ ہمارے ساتھ کی طرح ہمارے
 ساتھ ہے۔ ایک دم جدا ہونا پسند نہیں کرتی۔ اسی سے دماغ
 کا باغ تازہ۔ دل کا ایان مسرت سے لہریں۔ حرص کی عمر دراز۔
 ہوس کا بول بالا۔ خواہشوں کی مرادیں پوری۔ تمنائیں حرفہ الحال
 خیال کی وسعت کا دامن اسی کی بدولت پھیلا ہوا۔ کامیابیوں
 کی ترغیب اسی کی تحریک کا نتیجہ ہے غرض خوشحالی کا باغ ہر آن
 اس کا منظر بنا رہتا ہے۔ شاہد و گد امر و وزن۔ پیر و جوان ب
 اس کے احسانمند دولت مند کی دولت کتنی ہی بے شمار ہو
 مگر اسکو ترقی کی امید ضرور ہوگی۔ اگر کوئی تکلف زدہ ہے اسکو

قوی امید ہے کہ یہ کلفت ایک روز راحت سے مبدل ہوگی۔
 چاہے کسی کام میں کوئی آفت کا مارا فلک کا ستایا بد بختی کے
 باعث کیسا ہی ناامید ہو جائے۔ مگر پیاری امید اُسکو ڈھارس دیکر
 دل بڑھاتی ہے کہ خبردار قدم پیچھے نہ ہٹے۔ ہمت کی کمر مضبوط
 باندھ کر بے استقلال اس راستے میں گارڈے۔ کوہِ تمکین بنجا
 دیکھ پھر مین تیری رفاقت کیسی کرتی ہوں اور تجھے کامیابی کی منہل
 تک کس طرح پہنچاتی ہوں اللہ یہ سحر سامی کا پتلا۔ مانی وقت
 بہزادِ زمان جادو نگارِ مصور ایک نہ ایک تصویر و لفریب سحر آمین
 کھینچ کر سامنے پیش کر دیتا ہے۔ جسکے دیکھنے کے ساتھ ہی خیال
 پکنا ہو جاتا ہے کہ خواہ مخواہ یہ صورت مقصد اور کامیابی سے ضرور
 ہم آغوش کرے گی۔ مثل مشہور ہے۔ آسا جیے۔ نرا سامرے
 جو اسکا نیاز مند ہوا۔ وہ ضرور بے نیازی کا رتبہ حاصل کرے گا۔ جو اسکا
 کشتہ ہوگا۔ وہ اکیر کا درجہ پائے گا۔ جو اس کا بیمار ہوگا وہ ایک
 دن بینک مسیحا کہلائیگا۔ جو اس کا غلام ہوگا وہ کبھی نہ کبھی تاج شاہی
 زیب سہر کرے گا۔ جو اس کا گھائل ہوگا وہ مردانگی کا تمغہ حاصل کریگا

جو اس کی چال سے پسکر سر نہ بنگیا وہ ضرور منظورِ نظرِ حسنینِ جہان
 ہوگا۔ جو اس کے ہاتھوں پسا ہوا وہ ضرور دستِ خانی کا جو بن
 ہو کر رہے گا۔ اسکا مشغلہ سب مشغلوں سے بہتر اس کا دروب
 درودن سے بڑھ کر اس کا زہر آبِ حیات سے خوشتر۔ اس کا
 سہارا بے سہاروں کے لیے پشتہ بوٹھوں کے واسطے عصا۔
 جوانوں کے لیے تیغ۔ بچوں کے واسطے دل بہلانے کا کھلونا
 سب لوگ ہر حالت میں اُسی کی غیر مناتے ہیں اور دم بھرتے ہیں
 تو اُسی کا۔ دریا ایک لمحہ بھی جینا اجیرن ہو جائے۔ مگر چھ امید
 ایسی چالباز عیار ہے کہ دوستی کے پیرائے میں کبھی کبھی دھوکا بھی
 بے جاتی ہے۔ لیکن انسان اس کے پُر فریب دھوکے کو دھوکہ
 سمجھتا ہی نہیں۔ ایسا دلدادہ اور گر ویدہ و فریفتہ۔ والد و شہید۔
 از خود رفته ہو جاتا ہے کہ اس کی ہر اداسی معلوم ہوتی ہے۔
 اسکے غمزے پر جی قربان۔ اسکے ناز کا دل فدائی۔ اسکے عشوے
 کی آنکھ مرہونِ سنت۔ غرض اسکی بہار بیخزان ہوتی ہے۔
 حضرت سیدِ دل سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اسکی شرابِ محبت سے ایسے متوالے

بنجاتے ہیں کہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ اور جو لوگ اسکی
 مستی کو چلی جاتے ہیں وہ نیک و بد کو انجام بینی کی عینک سے
 بھی تمیز کر سکتے ہیں۔ پس اس امید کی بہار لوٹنے کا مستحق ہمارے
 نواب کے فرزند و لبند نصیر سے زیادہ کون ہو سکتا ہے۔ جو
 ایسے عالم شباب میں متانت اور سنجیدگی۔ اور دور اندیشی۔
 اور فہم و فراست۔ تحمل۔ صبر و استقلال سے اُمراے دربار
 کو اپنا مشیر بنا کر ہر ایک کام کرتا ہے۔ اور عاقبت کار بھجواے
 انا فتحنا لک فتحاً مبیناً۔ تیغ اور دیگ دونوں اس کے ہاتھ
 رہتی ہیں۔ جو وقت پیر مرد جگت نانا اتھتھ پیغامبری ختم کر چکے
 تو میان نصیر نے اپنے والد کی خدمت میں پاس نامہ لکھا جسکا
 مضمون ذیل میں درج ہے۔

قبلاً و کعبہ

آستان بوسی۔ اسبوقت میان عبدالصمد عرف جگت نانا تشریف
 لائے۔ اور فرودہ جان فزا سے اس نیاز مند خاکسار کے خزان
 رسیدہ دل کو بہار تازہ بخشی۔ فدوی کے قلم میں اسقدر طاقت

کہاں کہ حضرت کے الطاف و کرم کے عوض شکرِ بے کی نذر
پیش کر سکے۔

اور نہ زبان کو یار ہے کہ حضرت کی بندہ نواز یوں کی شن
وصفت بین رطب اللسان ہو۔ البتہ دل اس دعا میں مصروف ہے
خدا یا تو این، سایہ پائیدار

در حقیقت اس وقت حضرت نے اس ناپسندیدہ شادی کے مسئلے
پر دوبارہ غور فرمانے کی تکلیف جو گوارا فرمائی وہ فدوی کی صحت
کے حق میں معجزہ ثابت ہوئی۔ اگرچہ اس معاملہ کے خدائی میں غامض
کی جانب سے جو سبابت ہوئی وہ سرسبز داخل گستاخی تھی۔
لیکن سوا اسکے کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ خادم اپنے جذباتِ دلی
کا اظہار کر کے حضرت کو اپنے حالِ زار کی طرف متوجہ کرے۔ خدا
بکمالِ ادب اسیدوار ہے کہ بمصدق۔

از خود ان خطا و از بزرگان عطا

فدوی کی گستاخی اپنی عطا اور کرم اور محبتِ پدری کے تصدیق
میں معاف فرمائی جائے گی۔ زیادہ کیا عرض کیا جائے۔ خداؤ

آپکا وفادار اطاعتگذار فرزند

نصیر

یہ خط صاف کر کے پیر مرد کے حوالی کیا۔ اور کہا کہ نانا۔ یہ خط والہ بزرگوار کی خدمت میں پہنچا دینا۔ اور قد مبوسی عرض کرنا۔
 پیر مرد حقہ پیتے ہوئے (کیا میان یہ پاس نامہ ہے۔

نصیر۔ جی ان پاس نامہ۔

پیر مرد۔ زندہ باش۔ چاہیے بھی یہی تھا۔ اسوقت حقہ کا دم کیا لطف دے رہا ہے۔ اسکے مقابل شہنائی کیا چیز ہے۔ طوطی ہزار داستان ہے کہ بول نہ لے۔

نصیر۔ نانا۔ واقعی خمیر کی خوشبو نے دماغ معطر کر دیا۔

پیر مرد۔ میان بسم اللہ ایک دوکش آپ بھی لیجیے۔ یہ سب آپ کے دم کی سلامتی کے ساتھ ہے اور مابدولت تو آپ ہی کا دم بھرتے ہیں۔ اور کیون نہو شریف زادے ہیں۔

(موجھوں پر تاؤ دیکر) الحمد للہ۔ عالی دودمان سپاہی ہوں۔ یکہر خط لے لیا۔ اور کہا میان الحمد للہ تمہاری سلامتی میں آج سویرے

سویرے ترنوالے اڑائے۔ اور حقے کے دم بھی لگائے۔
 گھوڑی بھی کھائی۔ اور دشمنوں کا خون کیا۔ اب خط لیکر
 شک جانا ہوگا اگر خالی ہاتھ جانا۔ گویا نیک شگون کا خون کرنا
 ہے۔ ادھر بڑھیا مکان پہنچتے ہی حبیبین ٹٹولتی ہے۔ اگر خالی
 دیکھے گی تو سوختہ دل ہو کر دل ہی دل میں جل جائے گی اور تودہ
 خاک بن جائے گی۔ بلکہ آوازیں کسے گی کہو گی کہ بس ایسے نواب کی
 رفاقت اور فتنہ یہ کہ حبیب خالی کی خالی۔ واللہ شرم سے مجھے
 پانی پانی ہونا پڑیگا۔ اور اگر کچھ حبیب کا منہ زر علیہ السلام سے
 بھر جائے تو پھر کیا ہے۔ خشک و تر پر اپنا قبضہ ہے۔
 نصیر (ہنسکر) مانا۔ تمہاری باتوں میں عجیب دلچسپی ہے۔ اور ضلع
 تو سونے پر سہاگا۔ بسم اللہ یہ لیجیے۔ پانچ اشرفیان نکال کر دین
 پیر مرد نے دعاؤں کا تار لگا دیا اور خط لیکر روانہ ہوئے۔

مشاعرہ

اس وقت شب کے بجے ہیں۔ شب چہارہ دم کا جو بن بہار افروز

ہے۔ چاند نے اپنے چمن و فخریب سے آسمان کے تمام ستاروں کو محو حیرت کر دیا ہے۔ اسکی صورت زیبا پر چاندنی کی صاف شفاف رو پہلی چادر وہ کام کر رہی ہے۔ جو شمع کے ساتھ فانوس کرتا ہے۔ اور اسکے عکس نے تمام عالم کو منور کر دیا ہے جنوری کا مہینہ ہے۔ گرمی کسی قدر شروع ہو گئی ہے لوگ اس چاندنی کی سیر کرنے کے لیے ورائنڈون میں اپنی اپنی چار پائیاں بچھا کر کام دھندے سے فارغ ہو کر کھانا کھا کر اپنے بیوی بچوں کو لیے ہوئے۔ چاندنی میں دل بہلا رہے ہیں ایسے پرفضا بہار افروز وقت پر ہمارے ہیر و نواب ذیشان کے گھر نرم مشاعرہ قرار پائی ہے۔ یہ مشاعرہ عام نہیں خاص ہے۔ ورائنڈے کے سامنے کی جوزمین ہے وہاں سفید چاندنی بچھائی گئی ہے چند کافوری شمعیں اور ماہی بتیوں کے لیمپ دھرے ہوئے ہیں لیکن ان کی روشنی کو فروغ نہیں ہوتا۔ چاند کے حُسن کے مقابل ان کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے۔

سوڈے کے شیشے برن میں ٹھنڈے کیے جا رہے ہیں کہ تبت

منور ت مغز مہانوں کی پیاس کی گرمی کو ٹھنڈا کریں۔
 کھل لقا د حاضرین کی نو ہے گویا عروسِ محفل کے بازو کے
 نور ت ہین۔ شہنائیاں بن مین خمیرے کے توے منگے ہوئے
 ہین۔ محفل مین دُورہ کر رہی ہین۔ مغز مہان نواب یعنی میر باں
 ذی نشان کے دم کی خیر سنار ہے ہین۔ لیکن فلکِ حقہ باز تفرقہ
 پرداز کی نظر بد اسطرت لگی ہوئی ہے۔ وہ اشارہ کر رہا ہے کہ یہ
 محفل جو چار عناصر کی طرح یکجا ہو کر آراستہ ہوئی ہے اور گلہ ستہ
 بن کر معدنِ زریب و زینت ہو رہی ہے۔ ایک چشمِ زدن مین چھو
 کی پنکھڑیوں کی طرح تیر تیر ہو جائے گی۔

اس طرف احباب کا شیرازہ خاطر جو یکدلی کی وجہ سے مضبوط
 بند ہا ہوا ہے فلکِ کج رفتار کے اس منسوبی سے واقف ہو کر زبان
 حال سے کہہ رہا ہے کہ

دو دل یک شود بشکند کوہ را

کیا مجال ہے کہ فلکِ تفرقہ پرداز کا منتر چل سکے۔ دو دلوں کے
 ایک ہونے سے جب پہاڑ کا توڑنا آسان ہے تو۔ اس موقع

پر جہاں احباب کی چوگنی تعداد نے یک روح و نہ قالب ہو کر
ایکا کر لیا ہو۔ وہاں اس کی چال کبھی فتنہ بپا نہ کر سکیگی۔ چرخ چنبیری
کی نیز گلیاں اس میزنگی کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔

الغرض ایسے سہانے وقت میں ہمارے نوابِ فیضان
جو میرِ مشاعرہ ہیں۔ محفل میں جلوہ افروز ہو کر رونقِ بزم ہوئے۔ دفعۃً
احباب میں اٹھو اٹھو۔ استقبال کر کے لاؤ کی صدا بلند ہوئی۔ اور سب
اٹھ کھڑے ہوئے۔ تعظیم کو جگہ ملی اور داخل محفل ہوئے۔ ادب نے
آواز دی کہ نگہ رو برد۔ اور تہذیب نے پکار کر کہا کہ آداب بجالاؤ۔

سب نے حسبِ مراتب بزمِ سلام ادا کی۔ نوابِ ذی شان نے لطیف
خاطر سلام کا جواب حسبِ مراتب ادا فرمایا۔ اور ہر ایک کی مزاج
پرسی کر کے شمعِ بزم کی طرح میرِ محفل ہو کر مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔
اس محفل میں دو چار نامی شعرا بھی ہیں۔ (۱) اظہیر دہلوی (۲)
رسا۔ نے محفل میں سیدھی جانب جگہ پائی ہے۔ ایک ذوق
مرحوم کی یادگار اور استادِ داغ کے مبعصر۔ دوسرے استادِ داغ
کے خوشہ چینوں سے۔

یہ دونوں بارغ سخن کے گل لالہ ہیں جو اپنی خوشبو سے حاضرین کے
دماغ کو معطر کریں گے۔

راوی۔ استاد داغ کے نام کو ساتھ ہی ہماری پیانہ بچشم اشک
غم سے لبریز ہو گئے۔ کیجئے پر ان کی خدائی کا جو داغ تھا وہ آتش
غم سے سپند ہو کر چٹختے لگا۔ اللہ اللہ داغ نے دوست دشمن
سب کے دلوں کو فرقتِ دائمی کا داغ دیا۔ وہ کوں سادل ہو گا جس پر
داغ کی عام مقبولیت کا سکہ نہ بیٹھا ہو۔ یہ فردا جواب تھی۔ صدیوں
اسکا جواب نہ ملیگا۔ اس میں شک نہیں کہ اپنے فن کا خدا تھا
حسنِ کلام کی نقاشی سے نوکِ قلم عاجز۔ سلاست طرزِ بیان پر
قربان۔ محادرون کے مقابل ناطقہ گنگ۔ تلاشِ مضامین کا
وہ حال کہ جب بحرِ تفکر میں غوطہ لگایا وہ گوہرِ نایاب ڈھونڈ کر نکالا۔
جو دوسرے کو نصیب نہ ہو سکتا تھا۔

نازک خیالی اپنے ہاتھ سے اپنے حسن کی بلائیں لیتی تھی۔
زنگینی عروسِ سخن کے ہاتھ کی خاتھی۔ ہر حال میں بے مثل اور
لاٹانی فرد تھی۔ جسکا مرثیہ اہل سخن کی محفل میں صدیوں تک پڑا جائیگا

آدم پر سب مطلب -

ظہیر - ذوق مرحوم کے گویا مثنیٰ ہیں - کلام میں بختگی - کہنہ مشقی
نوشقون کی مشق کو زیر مشق سمجھتی ہے - بلاغت میں اپنا استاد
سے حصّہ پایا ہے - معنی آفرینی میں کمال رکھتے ہیں -

رسا - ان کا رنگ جُدا دیکھے گا - کلام میں سلاست مگر نئی ایجاد
کے ساتھ محاورے میں اپنے استاد کی ملک سے حصّہ پایا ہے
نوجوان طبیعت تیز ہوتی ہے لطف کلام سے سامعین کا ذوق دُونا
ہوتا ہے -

راوی - ان صاحبوں کی خدمت میں ہمارا بھی سلام کوئی پہنچا دے
ان کے بعد نواب کے دوست رفیق یہ نوجوان ہیں - کلام میں
بھی شباب کا رنگ ہے - محفل کی بائیں جانب اختر مینائی -
اور جلیل لکھنوی نے جگہ پائی ہے -

اختر - امیر مینائی کے خاندان کے روشن ستارے جن کو
اَلْوَلَدُ بَشَرٌ لَا يَبْدِيْ كَهْنًا مَبَالِغُهُ هُوَ گاہ -

دوسرے جلیل ہیں - امیر مرحوم کے شاگرد رشید - انہوں نے

اپنے اُستاد زادے کی توقیر اور عزت کے لحاظ سے ادباً اپنا نمبر
اُنکے بعد رکھا ہے۔

یہ دونوں ایک ہی خُسن کی بہار ہیں۔ اور ایک نخل کی دو
شاخیں۔ ایک ہی گل کی دو پنکھڑیاں۔ ایک ہی روح کے
دو قالب۔ یہ دونوں نئے نئے رنگ کے پھول باغِ سخن سے
چنکر نئے ڈھنگ کے گلہ سے اس محفل میں سجائیں گے۔ شاید
سخن کو بلاغت کا زیور پہنانا انھیں کا کام ہے نئی تراشوں کے موجب
لطف خیالات سے مست کر دینا اُنکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔
تیزی فکرِ سادگی کا رنگ لیے ہوئے جُدا ساقی بن کر دُور جامِ میں
مصرف ہوگی۔ بلند پروازی آسمانوں کے تارے توڑیگی۔ یہ اپنی
آبائی میراث پائے ہوئے ہیں۔

راوی۔ ہم پھر سلام علیکم کہتے ہیں۔
اُنکے بعد قلندر شاہ۔ پہلو دباے بیٹھے ہیں۔ جیسی ان کی
عمر پختہ اور تجربہ پختہ۔ کلام بھی ویسا ہی پختہ۔ اس میدان کے پہلوان
ہیں۔ جس بزم میں جگہ پائی گویا بغلی گھونسا بند رہے۔ قافی

کے خاندان سے انکو دولت سخن میں حصہ ملا ہے۔ کلام بلند ہر
اور بلند پروازی کہتی ہے۔

عقائے نظر بلند پرواز

بندش چست۔ کلام میں رعایت لفظی ایسی گویا چولی دامن کا ساتھ
شاعری میں صاحبِ فن۔

انکے بعد عبد الصمد عرف (جگت ناتا) تخلص جرات
ان کا کلام موزون ضرور ہے مگر ظرافت آگین۔

بشیر۔ لڑکا نوجوان ہے۔ مگر طبیعت کی تیزی سے چل نکلا ہے۔

ضیا۔ انھوں نے نواب کے پہلو میں جگہ پائی ہے انکی روشنی

اپنے ہم عصرون میں بہت بڑھی ہوئی ہے۔ فارسی کلام میں یدِ طولی حاصل

ہے۔ اپنے پٹے کا دوسرا نہیں رکھتے۔ البتہ کوئی اہل زبان اگر

مقابلہ کرے تو ممکن ہے کلام میں زور بہار سے رنگ لیتے ہیں۔

سادگی میں رنگ آمیزی طرہ بہار دیتی ہے لطف خیالات قلوب

کو مسخر کرتا ہے۔ نئی تراشوں میں بیدل کا چربا اُتارا جاتا ہے۔

فضاحت میں سعدی کی گلستان کے گلچین کلام میں دروہے۔ گداز

نواب ذمی شان نے ابتدا کے لیے فارسی کلام کی فرمایش
کی ضیائے اپنا کلام سنا کر محفل کو بہخود کر دیا۔
قلندر کے کلام پر واہ واہ کی وہ صدائیں بلند ہوئیں کہ محفل
گوںج اٹھی۔

اسکے بعد اردو کا کلام شروع ہوا۔ اس میں دو مرد میدان مقابل
کے ٹھہرے۔

ظہیر اور جلیل۔ اور دونوں اپنے اپنے رنگ میں ہم پلہ اور
جو کہا خوب کہا۔ موتی پر دو دیے۔ بہار افشانی کی۔ ساری محفل کو
محو حیرت بنا دیا۔

جو فارسی اردو کلام اس مشاعرے میں پڑھا گیا وہ ضیانت
طبع ناظرین کے لیے درج ذیل ہے۔

ضیا

آتش جہد از ہر بن ہویم چہ تبستین	با این ہمہ سوزم کہ نپرسی غضب آیین
آذر پیدین چہ دہی بسمل خود را	منت کش تا کامی ذوق طربست آیین
فریاد کہ تالاب زرد آہ من اید دست	انجام سر ایگی روز و شب است آیین

ای شمع ز بیا کی پروانه چه پرسی
کز تیغ جفا تو شهادت طلبی این
اندیشه غمازی اغیار بجا بود
ز بهار که آزدگی بر سبب است این
آن کسیت که یک دست کنز کمالش
گلهاے مضامین یاقین ادب است این
ای آنکه ظهور تو بود آنچه نهالت
در پرده اظهار نگنجی عجب است این
یک جلوه بصد شوخی نظاره نگنجد
اے دیده که دار که جائز ادب است این
وانست چه پرسی دل شوریده همین است
عمر سیت که در بحر تو یارب تب است این

اے باره بر انداز گیسوے ضیاءم

قربان جفا تو شوم جان بلب است این

قلندر

مردم نه ز بهای فراقش عجب است این
مہلت و دہم مرگ چار بلب است این
از سوختن و شستن اے شعله طبیعت
خاموش نشد آتش تہمت غصبت این
ترسم کہ پردہ پوش تو از باوہ نظم
در نشہ کہ افزون ز شرع است این
در منظرلم آن ماه فردا آید از منظر
اے چرخ شب عیش کن روز طرب است این
برگی گل تربت کہ عمل لب جانان
یا قوت شکر بار کہ شیرین طرب است این
در دست تو نگرند ہم دست کہ گویند
یاران ہوس پیشہ کہ دست طلب است این

ہر چند کہ غم نالہ برا ہش مگر افسوس
 پرسد نہ سوارم کہ چہ بنور و شربت این
 جز خربت وصل تو دلم سر و دگر دو
 کین شورش ہجر است بجا نم نہ بیت این
 گویم چو پروانم تو کس پیش من ایدو
 اے یار مگو باز کز ان مرلقب است این
 شناخت ز زنجیرم اے بصر افسوس
 آگاہ نشد کور کہ مس یازد است این

پیچیدہ احباب قلندر بہ فن شعر
 در انجمن شاد کہ جائی ادب است این

طہیر دہلوی

ایک ہوئی نہیں گرسادی خدائی ہوئی
 تیرے غم سے کہیں عہد برائی ہوئی
 بزم شادی میں اگر اپنی رسائی ہوئی
 نغمہ سنجی کے عوض فوجہ سرائی ہوئی
 لاجرم بند تعلق میں پھنسانا پڑتا
 دلو زندان جنون سے جو سرائی ہوئی
 دوست تقدیر کی بگڑی کو سنواریں کیا
 بات مٹی نظر آتی تو بنائی ہوئی
 عمر بھر آتش فرقت میں جلایا تم نے
 تین دن شمع لمحہ پر تو جلانی ہوئی
 وہ نہ آئے تو نہ آتے تھے آنا تھا ضرور
 اے اجل آج تو منہ نہ لگائی ہوئی
 نیسے کہتے ہوتے تو بڑائی کیا تھی
 قطرہ بحر میں ہرگز نہ جدائی ہوئی
 میں وہ غم دوست میں ہوتی نہ فناء گزشتہ
 غم عالم کی اگر دل میں سمائی ہوئی

پوچھتا کون زمانے میں اگر آج طہیر
حضرت شاد کے در پر نہ رسائی ہوتی
رسا

حشر ہوتا بھی تو تیری ہی بن آئی ہوتی تو جدھر ہوتا اُدھر ساری خدائی ہوتی
گر غم عشق کی ہر دل میں ساسی ہوتی تو یہ دولت مرخصہ میں نہ آئی ہوتی
غیر کرتے جو برا بھی تو سمجھتے وہ بھلا میں بھلائی بھی جو کرتا تو بُرائی ہوتی
یہی اچھا ہے کہ سفاک غاباز ہو وہ در نہ کتنوں نے دہان اپنی جمائی ہوتی
چشمِ تر تو نے جو طوفان اُٹھائی تو کیا بات جب تھی کہ لگی دلیکِ مچھائی ہوتی
تم تو چپ رہنے پہ بھی میری برس پڑے ہو قہر ہوتا جو زبان میں نے ہلائی ہوتی
چُپ رہ سکتے تھے یوں نگو مرا افسانہ عشق کی چٹا اگر تم نے بھی کھائی ہوتی
کچھ تمہارا ہی اشارہ ہو اس میں نہ مجھ میں اور غیر میں کس طرح صفائی ہوتی

کوے جانان میں رسا پھر نہیں کہیں سحرِ دم
بزمِ تک اُسکی نہیں ہے جو رسائی ہوتی

رفیق

یار کے دل میں جگہ میں نہ جو پائی ہوتی * آج قبضے میں مر مر ساری خدائی ہوتی

دیکھتا آنکھ اٹھا کر میں کسی اور کو بھی
 آنکھ میں گر تری صورت سمائی ہوتی
 آکے دور و زمرے میں انھیں ہناتھا
 کاش اُجڑی ہوئی سبتی یہ سبائی ہوتی
 آپ باتیں تو بنانے میں بہت مشتاق
 کبھی گبڑی ہوئی تقدیر بنائی ہوتی
 میں بھی امر یا ترے وصل کی خواہش کرتا
 کبھی اُمید کسی کی جو برائی ہوتی
 کاش آئینہ صفت ہوتی صفائے باطن
 پھر تو صورت تری دل میں اُتر آئی ہوتی
 ہم بھی اسے نالہ سوزان تری قائل ہوتے
 گھر میں دشمن کر اگر آگ لگائی ہوتی
 دل کا آنا جو نہ تھا آپ کو ایسا جان پسند
 ہمیں بن ٹھنکے یہ صورت نہ کھائی ہوتی

کیا رفیق آپ کے منہ میں نہ زبان تھی گویا

وہ جو گبڑے تھے کوئی بات بائی ہوتی

اختر مینائی

دل صد چاک کی دانتا کھینچائی ہوتی
 شانہ بن بن کے تری زلف بائی ہوتی
 تیری تصویر جو ملتی تو نکلتی سو کام
 دل سے آنکھوں سے کاجی لگائی ہوتی
 اڑ کے پہنچے ہم اگر تارِ فداک تو کیا
 بات جب تھی کہ تری دل میں سائی ہوتی
 دل سے شے اور وہ تلون سے ملی جاتی تھی
 قدر ہوتی تو کلیجے سے لگائی ہوتی
 آنکھ آئینکی خوشی کیوں مجھ جیڑ دیتی
 جان جاتی جو یہ اُمید بر آئی ہوتی

جھوٹ سمجھے ہو فسانہ مری بخوابی کا کاش تم نے بھی کہیں آنکھ لگائی ہوتی
 سوتی تربت پہ مری کون تھا آنے والا شمع ہوتی تو نسیم سحر آئی ہوتی
 شکوہ جو رہ وہ طغز سے کہنا انکا کسی اچھے طبیعت تری آئی ہوتی

تم کو منظور اگر حُسن کا چمکانا تھا

رسم کچھ حضرت بخت سے بڑائی ہوتی

جلیل

میں وہ بلبل ہوں قفس سجورائی ہوتی بوسے گل دور سے لیز مجھے آئی ہوتی
 طور کی ناگ سرِ دل میں لگائی ہوتی ایسی بجلی کوئی ای صبح گرائی ہوتی
 چاہتا ہوں کوئی امید نہ رکھوں اُن سے کاش میری یہی امید برآئی ہوتی
 حُسن پر دمِ مین ہے اُس پر چڑیا بنی فیصلہ تھا جو نقاب اُس نے اٹھائی ہوتی
 وعدہ دیدہ ٹھہرتا نہ اگر محشر میں مرنے والوں کو کبھی نیند نہ آئی ہوتی
 تھا جو تقدیر میں جلنا تو سوچو کیوں انسانا شمع ہوئے تری محفل میں سائی ہوتی
 کوئی جلو کی اگر دیکھنے والا ہوتا یار کو خود ہو بس جلوہ نمائی ہوتی
 روح و قالب کی جدائی کا نہیں کچھ شکوہ کاش دو دل میں نہ ای صبح بھڑائی ہوتی

محفل شعر و سخن سرد پڑی چو کب سے

تِنے کچھ پڑہ کے جلیل آگ لگائی ہوتی

جرات

تین کی اس نے صفائی جو دکھائی تھی ایک دو ہاتھ میں عالم کی صفائی ہوتی
 تم نے دشمن کو اگر سر نہ جڑھایا ہوتا ہمنے بھی اُسے سر دہی نہ اٹھائی ہوتی
 تارے گن گن کے مری اب کیوں ہوتی چاند سی شکل اگر تم نے دکھائی ہوتی
 دیکھتے خون نہ ہو جای مری حسرت کا آج کی رات تو مہندی نہ لگائی ہوتی
 غیر سے آپ کو ہنسنا تھا تو ہنستے کہیں اور مہربان مجھ پہ تو بجلی نہ گرائی ہوتی
 اپنے سینے سے لگاتا میں دکھ اگر تکبو تیری تصویر مرے ہاتھ جو آئی ہوتی
 کر رہے تھے سرِ محفل وہ عدد کی لعل بولتے ہم تو ابھی مفت لڑائی ہوتی
 قیس فرما دگا پھر آپ نہ سنتے قصہ اپنی بیٹی جو کبھی ہمنے سنائی ہوتی

اُٹھکے پہلو دشمن سے جو تم خیر ہوئی

ورنہ جرات نے قیامت اٹھائی ہوئی

شیر

ہمنے کو دل جو کہیں آنکھ لگائی ہوتی حسرت دید کی خوب آج بن آئی ہوتی
 جان لینے پہ جو آمادہ ہوا و بد و فراق تو نے میری کوئی قصیر تباہی ہوتی

نگہ شوق تڑپتی نہ مری آنکھوں میں پیاری صورت نہ اگر تمنے چھپائی ہوتی
 جانتے ہم کہ وفا ہو گا تمہارا وعدہ سہر دشمن کی قسم تمنے جو کھائی ہوتی
 اس طرح مجھ سے کہدورت کا نہ کرتا اظہار آپہنر دجو ترے دل میں صفائی ہوتی
 آج مجنون کی طرح نام مرا بھی ہوتا اُسکے کوچے میں اگر خاک اڑائی ہوتی
 صورتِ ماہی بے آب تڑپتی رہی ہم تمنے خنجر سے لگی دلی بھجائی ہوتی
 چشمِ گرین مری طوفانِ اٹھائی کیا کیا تمنے دشمن سے اگر آنکھ لڑائی ہوتی

بلبلینِ نغمہ سرا پھر کبھی ہوتین نہ بشیر

یہ غزل تمنے چمن میں جو سنائی ہوتی

بارہ بجے شب کے جلسہ برخواست ہوا

شبِ بخیر

عالمِ تصور

یہ عالم بھی عجب ہو گا عالم ہی کہ سوا محویت اور فراموشی دنیا و مافیہا کے
 اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہی محویت انسان کو آئینہ حیرت بنا دیتی ہے۔
 یہ درجہ اسوقت حاصل ہوتا ہے جبکہ انسان کسی کے حسنِ جہان سوز

کے نظارے میں سر تاپا محو ہو جائے۔ ورنہ حضرت دل وہ بُری
 بلا میں کہ کبھی بچے نہیں رہتے۔ اور نہ کسی عالِ چین سے بیٹھنے
 دیتے ہیں۔ جو لوگ دنیا کر مہلات میں پھنسے ہوئے ہیں وہ اس
 عالم کون و فساد کی نیگیوں سے متاثر ہو کر ہر ایک شے میں جو خلص
 حُسن کی ادا ہے اسکو فردوسِ نظیر پاتے ہیں۔ مگر حضرت دل کو کسی
 طرح سیری ہی نہیں ہوتی ابھی ایک چیز کی بہار خوشگوار سے
 پورا لطف حاصل کرنے نہیں پائے اور چشمِ اشتیاق کو ایک
 صورتِ زیبا کی دید سے ابھی سیرابی نہیں ہوئی کہ دوسری دلفریب
 تصویر سامنے آکر موجود ہو گئی اور وہ اپنے کمالِ حُسن کے جوش
 میں کہتی ہوئی نظر آتی ہے۔

جلوہ دیکھے مری رعنائی کا

کیا کلیجہ سے تماشا لی کا

دل ہے کہ تیسری ابھی اس پھول سے اڑ کر اس پھول پر گئی۔ ابھی یہاں
 تھی ابھی وہاں پہنچی اور چشمِ زدن میں وہاں سے پھر یہاں آ کر
 منڈلانے لگی۔

آنحضرت ہر آن ایک نیا عالم ہے اور ہر لمحہ ایک نئی بزم ہے اور ہر
 پل ایک نئی دنیا ہے۔ یکسوئی کسی طرح نہیں ہوتی پر نہیں ہوتی
 فطرۃ انسان بمصدق کل جلیل الذی طالب اور آرزو مند ہے
 نئی نئی تجلیات کا۔ یہی وجہ ہے کہ جو اس بحرِ ناپیدائش سے آشنا
 ہوا اُسکی پیاس بجھ ہی نہیں سکتی۔ وہ جزر و مد کے خوشنما منظر کو جنت
 نظیر بنا کر سراپا حیرت بن جاتا ہے۔ اول تو اُسے اپنی خوش گوار پیاس
 بجھانے کا خیال ہی کیوں آنے لگا۔ اور آگے بھی تو اُس کی پیاس
 ایسی نہیں ہے کہ ایک سمندر سے بجھ سکے۔ اور اُسکے تن بدن میں
 جس آگ کے شعلے مشتعل ہیں کیا اُسکو کوئی بجھا سکتا ہے۔ البتہ
 اگر بجھا سکتا ہے تو وہی بجھا سکتا ہے جو اپنے بیچین دل کو جذبِ
 مقناطیس کے ذریعے سے ہر طرف سے ہٹا کر صرف اپنی طرف متوجہ
 کر لے۔ یہی یکسوئی منزل مقصود کا سیدھا راستہ ہے۔

بہر صورت جب تک اس عالم میں یکسوئی نصیب نہ ہو اور ایک
 ہی سے ردِ بکاری کی عزت حاصل نہ کی جائے کبھی ممکن نہیں کہ ہر ایک
 کے منہ تکنے میں انسان لطفِ اطمینان سے دوش بدوش ہو سکے

اس مستِ شرابِ پیخودی سے ذرا بازو ہلا کر پوچھیے کہ تم کس حیرانی
 میں پڑے ہو۔ اور کس صورتِ آفرین نے تمہیں ہر رنگ میں اپنا
 جلوہ دکھا کر اس طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا ہے کہ ہر وقت
 اپنے آپ سے باہر رہتے ہو۔ اور کس آئینہ خانی کا منظر تمہاری نظر
 کے روبرو ہے جس میں ایک صورت ہزاروں آئینوں میں یکساں
 شانِ دلربائی کے ساتھ اپنی چمک دمک دکھلا کر خانہ دل کو منور کرتی
 ہے یہ رازِ اسوقت آپ پر کھلے گا جب وہ محو حیرت کوئی جواب دے گا
 مگر ہم آپ سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے لبِ ہاسے خاموش کو
 کسی جواب سے آشنا نہ کرے گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑی دیر
 کے لیے سر اٹھا کر آپ کا منہ تکنے لگے۔ اور عجیب حیرت و استعجاب
 سے آہ سرد بھر کر مسکرائے۔ اور یہ کہہ کر ۵

آمد ز دلِ ماصبر و سکون می طلبد
 شاہِ بنگ کہ بآئینِ گدا سے آید

پھر اپنا سر جھکائے اور محوِ نظر رہ بنجائے۔

اللہ اللہ لوٹنے کی جگہ ہے کہ اُس جواب دینے والے

نے کس اطمینان کے ساتھ آپ کو ساکت و صامت کر دیا۔ یہی نہیں
بلکہ آپ نے بھی اُسکے جواب سے متاثر ہو کر ایک ایسا نعرہ لگایا جو
کہ بیانِ فلک کے دل ہلا دیے۔ اور آپ کے اس نعرہ زہرہ شگاف
کی بجلی اُس خرمین گری اور تڑپ کر نکلی جس میں اس کا کبھی گزر بھی
نہ ہوا تھا۔

ایک چشم زدن میں یہ سینِ نظر کے سامنے سے گزر گیا۔ لیکن دیدہ
ویدار طلب پھر بھی کہتا رہا۔

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن

بیٹھے رہیں تصورِ جانان کیسے ہوے

یہ تو عام حالت ہے مگر اب وہ لوگ جنہوں نے خدا پرستی کو اپنا ایمان
اور توحید کو اپنا مذہب جان کر کفر و اسلام کی کند سے آزادی حاصل
کر لی ہے اور قیدی بے زنجیر بنے رہنے سے ہیشہ کے لیے
حسرت کا پروانہ حاصل کیا ہے وہ اس تصور کے اس قدر دلدادہ اور
فریفتہ ہیں۔ اور اس میدان کے مرد بنکر اور ان سے اس قدر بڑے
ہیں کہ انکے دامنِ نگاہ کی گرد کو بھی معمولی نظریں مس نہیں کر سکتیں

انہوں نے نہ صرف اپنے دربار سے تعصب اور حسد اور رشک کو خارج کر دیا ہے بلکہ وہ اس اصول کے پیرو ہیں کہ منظور خواہ کسی شے کا ہو۔ خواہ کوئی صورت زیبا جاذب نگاہ ہو۔ خواہ کوئی گل کسی باغ کا گلہ و بنے اور خار چاہے کسی دامن سے اُلجھ جائے۔ اور خیال چاہے کہیں بہک جائے۔ مگر وہ اپنی اصل ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور کل شئی یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہ کی دلیل پیش کر کے ہی کو مقام صدق و صفا قرار دیکر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہیں کہ انہیں کوئی غیر نظر ہی نہیں آتا۔ جو ہے اُسی آفتاب جہاناب کا جلوہ ہے کعبہ اُسی کا گھر۔ بت کدہ اُسی کی جلوہ گاہ کفر اُسی کے اسم مُضِل کی بعفت اور اسلام اُسی کے اسم ہادی کا مظہر اور دوزخ اُسی کی برق غضب کا ایک شذرہ۔ اور جنت اُسی کے مہر کرم کا ایک ذرہ۔ ع

کفر و اسلام در رہش پویان

اُنکے نزدیک نہ تو ہے نہ مین۔ نہ خیر نہ شر جو کچھ۔ ہے بس ایک ہی ہے۔ اور وہ ایک بھی اپنے ہی میں ہے۔ اور اپنے سے ہر اور غور سے دیکھو تو وہ آپ ہی آپ ہے۔ جو شخص اس شراب

معرفت کی مستی میں آجاتا ہے وہ تصور ہی کے آئینے کا تماشا بنی ہو کر
 اس درجہ کمال کو پہنچتا ہے کہ اُسے بیکر اپنی صورت کے کچھ
 اور نظر نہیں آتا۔ پھر کیا تھا اپنے حسن کی آپ بٹائیں لیکر اور اپنے
 گرد آپ طواف کر کے اپنے قدم آپ لیکر۔ اپنے ہاتھ آپ جُوم
 کر۔ اور اپنی تیغ ادا کا آپ گھائل ہو کر۔ اور اپنی طرف آپ مخاطب ہو کر
 یوں ترانہ سنجہ جوتا ہے ۵

یارِ من با کمالِ رعنائی

خود تماشا و خود تماشا بنائی

ایسے نظر بازوں میں ہمارے نواب ویشان کے فرزند ابست دانی
 درجے کے لوگوں میں مہیااتِ نصیر کا نام بھی شریک ہے اور اس
 وقت اسی عالم کی سیر میں مصروف ہیں۔ یعنی اپنے پدر بزرگوار کی ہمت
 میں سپاس نامہ لکھ کر سی پر پیچھے گئے اور چمنستانِ خیال کی سیر
 میں محو ہو گئے۔ اُنکی معشوقہ دلنواز پہر آرا۔ جس کی صورت سے
 ابھی اُنکی آنکھیں آشنا بھی نہیں ہوئیں مگر جو عالمِ تصور میں ہر وقت
 نظر کے سامنے رہتی ہے۔ اُس وقت گویا اُنکے روبرو کمالِ رعنائی

شرمائی ہوئی ادب کے ساتھ بیٹھی ہے۔ اور باز معشوقانہ سے گویائی
کے منہ پر خموشی کی مہر لگا رہی ہے ۵

یان لب پہ لاکھ لاکھ سخنِ مضربِ مین
وان ایک خاموشی مری سب کے جواب میں
لیکن جذباتِ عشق کا ضبط کرنا کوئی دل لگی نہیں۔ دفعتاً لبِ خاموش سے
چیخ نکل گئی اور ساتھ ہی میانِ نصیر نے چونک کر جو دیکھا کہا۔ ع
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
لیکن دیکھتے کیا ہیں کہ سامنے خانساں ادب کھڑا ہے۔ اور کچھ
کہنے کو ہے۔

نصیر۔ کیوں خیریت۔ یہ چیخ کیسی تھی۔
خانساں۔ ادشناس تھا پہچان گیا۔ کہ یہ چیخ کی آواز خیالی ہے
لیکن بات کو نباہا۔ اور عرض کیا کہ سرکار کو خدا سلامت رکھے منصفدار
صاحب کے پاس سے مغفائی آئی ہے۔ اسکی اطلاع کے لیے
خدمت گار نے خانہ زاد کو پکارا تھا۔ اور یہ اُسی کو چلانے کی آواز تھی۔
نصیر۔ غور کے بعد سمجھا کہ خانساں نے بات بنائی ورنہ چیخ تو

میری ہی تھی۔ اور تصور کی مضرب نے جو بابِ عشق کو تار کو چھیڑا
تو آواز نکلی۔ سنبھل کر کھا کہ اچھا بلا کو۔

اب چہرہ پر ہلال اور منہ کا ابرو چھایا ہوا تھا وہ آہستہ آہستہ
دور ہو جاتا ہے۔ اور مسرتِ رو سے زیبا کا گلابی رنگ بن رہی ہے
خاتونِ مغلائی کو حاضر کر کے آپ نیچے چلا گیا۔
نصیر بہت مشت سے۔

۵ مژدہ ایدل کہ دگر بارِ صبا باز آمد
بد بذرِ خوشِ خبر از ملکِ صبا باز آمد
مغلائی نے آدابِ بجا لا کر دعائیں دین اور نذر پیش کی۔
نصیر۔ یہ نذر کا ہیکلی۔

مغلائی۔ قربان جاؤں یہ اُس شادمانی کی نذر ہے جس کا ظہور انشا اللہ
قرب میں ہونے والا ہے۔

نصیر۔ صاف کہو تو پھر تمہاری نذر لین۔
مغلائی۔ اول قبول فرمائیے۔ پھر باندی عرض کرے گی۔ خدا
مبارک کرے۔ بقی محمد و آل محمد۔

نصیر نے بسم اللہ کہہ کر نذر قبول کی۔

راوی۔ واہ بی مغلانی تم نے پہلا شگون خالی جانے نہ دیا۔ کیا کہنا مبارکباد کے ادا کرنے کا سہرا پہلے تمہارے ہی سر بندھا۔ ہم بھی تمہارے ساتھ مبارکباد کا گلہ ستہ پیش کرتے ہیں۔ خدا مبارک و ساز و رکند۔ آمین۔

مغلانی۔ پھر سلام کر کے بیٹھ گئی۔ اور عرض کیا کہ قربان جاؤں۔ جب سے یہ مبارک خبر باندی کو ملی ہے کہ سرکار کے والد ماجد نے ہماری صاحبزادی سے سرکار کا بیوند ہونا منظور فرمایا ہے (بلائین

لیکے خدا کی قسم میں بھولی نہیں سماتی

ہماری بیگم صاحبہ تو بس فرط مسرت سے رونے لگیں اور صاحبزادی تو شرم کر آئینہ کی طرح حیران ہو گئیں۔

نصیر۔ یہ کیونکر معلوم ہوا۔

مغلانی۔ عبد الصمد صاحب وہ جو بڑھے ہیں اور جن کو لوگ جگت ناتلا کہتے ہیں وہ سرکار کے والد ماجد کی طرف سے ایک خط ہمارے صاحب کے نام کالائے تھے تنہائی میں ملے۔ خدا جانے کیا

بات چیت ہوئی۔ ہمارے میان گھر میں آکر بیگم صاحبہ سے بہت دیر تک خندہ پیشانی سے باتیں کرتے رہے اس کے بعد پھر باہر چلے گئے۔

بیگم صاحبہ نے فوراً مجھے بلا کر پیچھے ٹھوکی اور کہا کہ لو مغلائی مبارک۔ بات ٹھہر گئی یہ کہہ کر ردین اور آنسو موئی کی طرح ڈھلکے گود میں آ رہے۔

یہاں تک مغلائی کی گفتگو نہ پہنچی تھی کہ میان نسیر کے دل میں بھی جوش پیدا ہوا۔ اور فرط مسرت سے رونے لگے۔ مگر مرد تھے پھر ضبط کیا۔ مغلائی نے بھی کچھ آنسو نکال کر گفتگو کا سلسلہ شروع کیا کہ میں واری جاؤں بیگم صاحبہ کی یہ حالت دیکھ کر باندی کا بھی دل بھر آیا۔ مجھے اُسی وقت بیگم صاحبہ نے کہا کہ سرکار میں حاضر ہو کر کیفیت دریافت کر دن کہ کیا گزری۔ اور کس طرح سرکار کے والدہ راضی ہوے۔ دور دراز سے آنا چاہتی تھی مگر صاحبزادی کا ذرا پنڈا پھیکا ہو گیا تھا۔ آج خدا کے فضل سے مزاج اچھا ہے۔ اس لیے حاضر ہوئی کہ سرکار سے

خبر لے کر بیگم صاحبہ کی خدمت میں عرض کروں۔
 نصیر (گھبرا کر) کیوں خیریت۔ کیا بخارا گیا تھا۔
 مغلانی۔ دشمن دُور پار۔ کچھ یوں ہی سا پنڈا پھیکا پڑ گیا تھا۔
 اب خیریت ہے۔

نصیر۔ الحمد للہ۔ لاکھ لاکھ شکر ہے خدا کا۔
 مغلانی۔ (بیاری ادا سے) ادی صاحب۔ آپ تو اس وقت
 ایسے گھبرا گئے جیسے کوئی۔ (شرما کر سر نہچا کر لیا)
 نصیر۔ واللہ میرے ہوش اڑ گئے۔

مغلانی۔ آپ تو غضب کرتے ہیں۔ سرکار بات ہی کیا تھی
 گھبرانے کی۔ (مسکرا کر) مگر ان افضنائے محبت ہے۔
 نصیر۔ تمہاری صاحبزادی کو بھی کیا اتنی ہی محبت ہے جبکہ
 مجھے ہے۔

مغلانی۔ اللہ رکھے۔ ہماری صاحبزادی کو خطا معاف ہو آپ
 سے زیادہ بت۔

نصیر۔ یہ دعویٰ تمہارا غلط۔

مغلانی - کیا عرض کروں۔ اب خدا وہ دن قریب لاتا ہے کہ
یہی باندی سامنے حاضر رہ کر گواہی دلائیگی۔

نصیر - (تبسم کر کے) انشاء اللہ تعالیٰ۔

مغلانی - صاحب یہ معاملہ طے کیونکر ہوا۔

نصیر - بہت آسانی سے۔ فضل خدا شامل حال تھا۔ میں نے
ایک خط لکھ کر جگت نانا کو دیا وہ بھی عجب شطرنج کا مہر ہے۔

اُس کی چال بھلا کون سمجھے۔ زمانہ دیدہ۔ طلسم کا پتلا۔ پیادے
سے گویا فرزین ہوا ہے۔ اُس نے بال اپنے دھوپ میں تھوڑی

بھی سفید کیے ہیں۔ خدا جانے والد کو کس طرح سے شہ دیکر
قابو میں لایا کہ خدا کے فضل سے بازی اپنے ماتھ رہی اور

کشتِ امید سرسبز ہوئی۔ اور میری درخواست منظور فرمائی گئی۔

مغلانی - اللہ مبارک کرے۔ خدا کرے یہ جوڑی برقرار ہے

بڑی بات ہوئی۔

نصیر - بیشک بڑی بات ہوئی۔

مغلانی - ہماری بیگم صاحبہ نے ہزاروں ثمتین مانیں۔ اور رات

دن صاحبزادی کو گڑھتا ہوا دیکھ کر پریشان رہتی تھیں نہ دن کو
چین۔ نہ رات کو نیند۔ کیا عرض کروں سوکھ کر کاٹا ہو گئی ہیں
نصیر۔ یہ اُن کی محبت کی دلیل ہے۔

مغلانی۔ کیا عرض کروں بے دیکھے خدا جانے کیونکر مجھ سے
ہو گئی۔ جب دیکھو آپ ہی کا ذکر۔ اور ہر وقت یہی کہتی تھیں کہ میرے
چاند کو یہ چاند کا ٹکڑا مل جائے تو بس میں۔ منہ مانگی مراد پاؤں۔
نصیر۔ مجھے تو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ پھر انھیں کیا معلوم کہ میں کالا
حبشی ہوں یا گورا چٹا۔

مغلانی۔ دردانہ بیگم کے ہاں آپ کی تصویر اُنھوں نے دیکھی
تھی اُسی دن سے بس اس کا خیال تھا کہ صاحبزادی کے
ساتھ آپ کی نسبت ہو جائے۔ سچ ہے کہ خدا سے جو مانگو دیتا ہے
(بلا مین لیکر) قربان اُس کی خدائی کے آخر جو دل نے چاہا وہی ہوا
نصیر۔ بیشک خدا کے فضل کا معاملہ ہی ایسا ہے۔

مغلانی۔ اب باندی آداب عرض کرتی ہے وہاں سب منتظر ہونگے
راہ دیکھتے ہونگے۔ کہ مغلانی کب آتی ہے۔

نصیر۔ بیشک راہ دیکھتے ہو گئے۔ اُن کو زیادہ تر سانا اچھا نہیں
میری طرف سے امان جان کو بہت بہت آداب عرض کرنا۔

مغلانی۔ (بلائین لیکر) قربان جاؤں کیا پیارا معلوم ہوا اس
وقت اگر جا کر کہوں گی کہ بیگم صاحبہ آپ کے داماد نے آپ کو اس طرح
کہا ہے کہ آج جان کو آداب عرض کرنا۔ بس خدا کی قسم اپنے
میں نہ سمائیں گی۔ ایسے ہی جا کر باندی عرض کرے گی۔

میان نصیر نے پھر پانچ اشرفیان مغلانی کو دین۔ مغلانی نے
بہت اصرار کے بعد قبول کر کے فرشی سلام کیا۔ اور روانہ ہوئی۔

راوی۔ میان نصیر کو ہم مبارک باد دیتے ہیں۔ انشا اللہ
شادی کی مبارک باد شب گشت کے روز دین گے۔

بولنامت کہ بھرے بیٹھے ہیں

جگت نانانے اپنے دولت خاں مین صبح کے وقت چائے
نوش جان کر کے گلوری کا خون کیا اور حقے کے دم اڑاتے ہوئے

باہر مردانے میں برآمد ہو کر اپنے خدو متکار گھٹسو۔ کو حکم دیا کہ جلد جاؤ اور میان نصیر کو ہماری جانب سے سلام اور دعاے عمر و دولت پہنچا کر کہو کہ اس وقت ہمارا جی چاہتا ہے کہ بطون کا لشکار کھیلنے کے لیے آسمان ساگر جائیں۔ فوراً دونالی بندوق چھڑوں کی ایک اور ایک اکپرس (اکسپرس) روانہ کریں۔

گھٹسو میان۔ حکم کی تعمیل میں عذر نہیں مگر اکپرس لیکر کیا کریں گے۔ وہاں تو نہ کوئی شیر ہے نہ شیر کا بچہ بلکہ گیدڑ بھی نظر نہ آئے گا۔

پیر مرد۔ نامعقول گیدی جب دیکھو ہمیشہ بات کا ٹاٹا ہے۔ کیمخت مقرض ہے زبان کیا ہے گیدڑ نہ سہی گٹا سہی۔ تجھے اس کیسے گھٹسو۔ میان آج تو آپ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے بھرے میٹھے ہیں خدا خیر کرے یہ فیر کسپر ہو گا معلوم نہیں۔

پیر مرد۔ کیوں بے مسخرے۔ مسخرے پن کی عادت نہیں جاتی بار بار کہنے سے نتیجہ کیا ایسی باتیں بنانا مجھے بھی آتی ہیں۔ یاد رکھ اب اگر کچھ منہ سے کہا اور زبان ہلائی تو میں تو ہی نشانہ ہے۔

جائزاً جا۔

گھسٹو۔ جو حکم میان (کہہ کر چار قدم گیا۔ اور پھر واپس آکر) میان بیگم صاحبہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ جب کبھی میان بندوق منگائیں پہلے بیگم صاحبہ کی اجازت لے لوں۔ پھر لاؤں۔ اب کیا ارشاد ہوتا ہے۔

پیر مرد۔ (مجھ بھلا کر) اومردود۔ کندہ ناتراش۔ گیدی۔ خربے دم۔ کچھ کمبختی آئی ہے۔ کہتا ہوں کہ بکواس نہ کر سنا ہنہیں۔ (خنجر پاتھ رکھ کر) تو نہ ہی مین اُتار دوں تو بات ہنہیں۔

گھسٹو گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ اور داد فریاد کرنے لگا۔

پیر مرد۔ اے سٹو شیطان کا حال اسے کمبخت کیا تجھے کوئی مار رہا ہے یا کسی نے تیرا خون کر دیا۔ یا کسی نے تجھ پر بندوق داغ دی۔ یا کسی نے وار کیا۔ یہ داد فریاد کیسی۔

گھسٹو۔ میان خنجر پر آپ نے ہاتھ ڈالا۔ مین سمجھا کہ بس اب شہید ہوا۔

پیر مرد۔ بھلا کر اومردود۔ قسم ہے خدا کی۔ اب نہ رکھوں گا تجھے۔ سو کر

سویرے ماما مراد دی چار روٹی دیر میں لائی۔ انیون پانچ بجے
 کے عوض سات بیگے کھائی۔ آج بسم اللہ ہی ابھی نہیں ہوئی۔
 اور اب تو ہمیں ستارہا ہے۔ نہ تو بندوق لاتا ہے۔ نہ جواب
 دیتا ہے۔ کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہوتا۔ خدا کی قسم آج ہلکے نفع
 نہوگا۔ ٹپے ہی میں رہیں گے

گھسٹو۔ میان میں عرض نہ کرتا تھا کہ آج آپ بھرے بیٹھے ہیں۔
 آپ نے انکار کیا۔ مگر بات تو میری ہی سچ نکلی۔
 اتنے میں ماما شریف نے آکر پیر مرد سے کہا کہ بیگم صاحبہ بلاؤ
 ہیں۔

پیر مرد۔ کیا ہو بیگم صاحبہ کو۔ اس وقت یاد کرنے کی کیا ضرورت
 پیش آئی۔

شریفیہ۔ معلوم نہیں۔ بلکہ ہی ہیں۔

پیر مرد۔ (بھلا کر) چل مراد۔ ابھی آتا ہوں۔

شریفیہ۔ کیا میان۔ میں مراد ہو گئی۔

پیر مرد نے جھپٹ کر۔ تڑاق سے ایک چیت جادوی۔

شریفہ - (رودی ہوئی سرکھلائی تھوئی) باز آئی میں ایسی توکری سے
ہم غریب بیچارے پیٹ کے مارے توکری کر کے عزت کمانی
آئے ہیں کہ عزت گنوا نے - بچہ کہتی ہوئی اندر چلی گئی -

سیان پیر مرد بھی اسکے پیچھے چلے -

بیگم - اہی سیان خیر تو ہے کیا ہوا - آج شریفہ کو تم نے کیوں مارا -

پیر مرد - مردار سے کہہ رہا ہوں کہ پل میں آتا ہوں سنتی نہیں - خدا
جانے کیا کیا بکواس لگائی - جی جل گیا (مچھون پر تاؤ دیکر) آخر سپاہی
بچہ ہوں - غصہ آتا ہی چاہیے - لگا دی ایک چپٹ - مگر کجنت کا

سر کیا ہے خامد چمھر ہے - دانتد میرا ہاتھ جھنجھنا گیا -

بیگم - ادنیٰ خدا خیر کرے - یہ سب بلے پھو لے اسلئے پھوڑے
جائے تک میں کہ آج وقت پر افیون نہیں ملی - ایسا اگر کرو گے تو کوئی
لازم نہ بھیگا کیونکر -

پیر مرد - بنین بنجنتی تو چلی جائے

بیگم - خیر یہ تو کہو کہ یہ داد فریاد کی صدا کیسی تھی -

پیر مرد - مردود - گھسو - بے ایمان کی فریاد تھی -

بیگم - کیوں کیا اسپر بھی کچھ ہوئی۔

پیر مرد - دانتدین نے ماتھے تک نہیں لگایا۔ لیکن نمک حرام
تے ناحق میل پجائے۔

بیگم - آخر کوئی سبب۔

پیر مرد - میں نے اُس سے کہا کہ میان نصیر کے پاس جا کر بندو
ہاتھ لا۔

بندوق کے نام کے ساتھ ہی بیگم میرے اللہ میں مر گئی۔

کہہ کر چیختی ہوئی حجر میں جا کرین اور دروازہ کھٹ سے بند کر لیا۔

پیر مرد - آئین بہ کیا۔ کبخت بندوق کے نام سے اس قدر ڈر

کیا کسی نے گھوڑا چڑھایا۔ یا شانا تاکا۔ یا رنجک اڑھائی۔ آخر

اس قدر ڈر کیوں۔

بیگم - حجرے کے اندر سے۔ خدا کے واسطے بندوق بٹاؤ۔

پیر مرد - آئین یہ بندوق بٹاؤ کیا معنی۔ اری نیکبخت بندوق

ہے کس کے پاس۔ دانتدین بندوق کی ایک ہی کہی۔ اب میان

پیر مرد کو مذاق جو سوچھا۔ اپنی سردہی رومال سے پھپکا کر بندوق بنالی۔

بیگم - بخدا ضرور تمہارے پاس بندوق ہوگی۔ قسم ہے تمہیں میرے
 بھوکے۔ بندوق باہر بھجی دو۔

پیر مرد (مجر کی طرف سر وہی بندوق کی طرح چھتیا کر) اب تو ضرور
 نشانہ لگاؤنگا۔

بیگم (زور سے چیخ مار کر) اے ہے لوگو۔ میں مر گئی یہ بڑا
 آج میرے سوبرس پورے کرنا چاہتا ہے۔

مشریفہ (نزدیک جا کر) ادھی ہوا کیا ہے۔ کہاں کی بندوق کدھر کی
 توپ۔ میان تو ایسی ہی دل لگیان کرتے ہیں۔ ان کی عادت
 بچوں کی سی کھیل کی جاتی کہاں ہے۔

بیگم - شریفہ سچ کہنا میرے سر کی قسم۔
 مشریفہ - نہ بیگم صاحب خدا کی قسم۔ امام حسین کی قسم بندوق نہیں ہے
 ابھی وہ مواگھٹو لینے گیا کہاں کیا بندوق آپ چلی آئے گی سپردہ
 تو ہے نہیں کہ اڑا کر آئے۔

بیگم - دیکھ تیرے بھروسے پر میں دروازہ کھولتی ہوں۔
 پیر مرد - دیکھو وہ مارا۔

بیگم - جھٹ سے پھر دروازہ بند کر کے۔ اے ہے اس موے

کو ہوا کیا ہے۔ آج تو میرے خون کا پیا سا نظر آتا ہے۔

پیر مرد - خون کا پیا سا خدا نخواستہ کیا میں شیر ہوں یا ریچھ۔

یا جیتا۔ جو تم کو کھا جاؤ گا۔

بیگم - خیر جو کچھ سہی مگر اس وقت تو میری جان میں جان نہیں۔

پیر مرد - اچھا تو باہر تو آؤ۔ بندوق پھینک دیں گے۔

بیگم - کہاں ہے مجھے دکھا کر پھینکو۔

پیر مرد - پھر سر وہی جو پوشیدہ تھی اسکو چھتیا کر یہ بندوق ہے۔

بیگم - دیکھو خدا کی قسم میں چلاؤں گی

پیر مرد - واللہ بوڑھے نخرے خوب آتے ہیں۔

بیگم - واہ واہ اب تو نخرے بخرے بھی بگھارنے لگے کیوں

نہ کہو گے۔

پیر مرد - پھر باہر کیوں نہیں آتیں۔ جلد آؤ۔

شریفہ - آؤ بی آؤ۔ بندوق و بندوق کچھ نہیں ہے۔ تلوار پر رومال

لپیٹ کر بندوق بنالی ہے۔ کیا تم نے باہر سے آتے وقت

دیکھا نہیں۔ بندوق کہان تھی۔

بیگم - (درد آوازہ کھول کر) دیکھہ شریفہ تیرے کہنے پر آئی ہوں۔

پیر مرد - اب آجاؤ آجاؤ۔ بندوق نہیں ہے۔

بیگم جو بائیں کھین تو واقعی پسینے میں تھجج بھگی ہوئی۔

پیر مرد - ارے نیکی بخت - یہ ہوا کیا۔ کیون اس قدر ڈرتی ہو بندوق سے

بیگم - واہ واہ نہ ڈرنا کیا معنی۔ یہ اپنے آپ بھی چل جاتی ہے۔

پیر مرد - ہاں میں نے بھی سنا ہے بلکہ دیکھا ہے۔

راوی - آداب عرض ہے کیا کہنا اشارۃ اللہ آپکی ذات بھی

عالم میں ایک ہی ہے۔ کیا خوب اپنے آپ چل بھی جاتی ہے۔

اور امتحان بھی ہوا ہے۔ سبحان اللہ۔

بیگم - (پیر مرد سے) دیکھو یہ کیسیل کام کا نہیں ہے جب تکو خود اور

ہے کہ چل جاتی ہے تو پھر اس کے پاس بھی نہ جانا چاہیے۔ موصے

گھٹو نے لاکھوں کروڑی۔

پیر مرد - لایا کہان سے مردود۔ باتیں ہی بگھارتا رہا۔ ناک میں دم

کر دیا۔ اور پھر کہتا ہے کہ بیگم صاحبہ کی اجازت ضرور ہے۔

بیگم۔ خدا اُسکو اچھا رکھے۔ آخر میری بات اُس نے یاد رکھی۔

پیر مرد۔ کیا تم نے اُسکو تاکید کی تھی۔

بیگم۔ ہاں خدا کی قسم۔ میں نے اُسکے سر پر قرآن رکھا تھا اور تاکید کی تھی کہ اگر میانِ بندوق منگوائیں تو بغیر میرے پوچھے نہ لانا۔

پیر مرد۔ جیسی ظالم نے گپ شب لگا کر میری بات اڑا دی اور نہ کیا ظالم نہ کیا۔

بیگم۔ آج ضرورت ہی کیا تھی

پیر مرد۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے والدہ پھونڈی لگ گئی اس لیے جی چاہا کہ بطن کا شکار کریں۔

بیگم۔ ایسے شکار سے پھونڈی لگنا ہی اچھا۔ روزِ نواب کے گھر جاتے ہو۔ یار آشناؤں کے پاس دو دو روز رنڈیوں کے بھر دو بنکر رہتے ہو۔ منہ پھیر کر گھر کی خبر بھی نہیں لیتے۔ پھر تمہیں پھونڈی کیون لگنے لگی۔

پیر مرد۔ ارے سپاہی بہن۔ جب تک شکار نہ کریں جی نہیں بھرتا۔ ہزار کہیں جائیں۔ مگر ہم اور رنڈیوں کے بھڑوے۔ یہ کیسی بات

لانا بندوق۔

بیگم۔ آنکھیں بند کر کے (دُٹائی دُٹائی اب نہ بولونگی۔

پیر مرد۔ ہاں یہ کل اچھی ہاتھ آئی۔ جہاں دبا یا اور دُن سے بندوق چلی۔
بیگم۔ (چونک کر) دیکھو پھر تم بندوق کا نام لیتے ہو۔ خدا کی قسم میری
جان نکل جائیگی۔

پیر مرد۔ اچھا تو ایک بوسہ دو۔ آج صبح کا شگون اچھا نہیں ہوا۔

بیگم۔ (ہون پر ہنس مگر ضبط کر کے) واہ واہ پھر وہی تمہیں بڑبھس سوجھی ہے۔
پیر مرد۔ اسے ظالم یہ بڑبھس کیسی مین اپنی عمر اسی کی بتلاتا ہوں۔ مگر
ہوں پچپن کا۔

راوی۔ پچپن کا نام نہ لیجیے۔ فیئانس سے پچپن سالہ گشتی اجرا ہو چکی
ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیوی بھی اُس گشتی پر عمل کرے
بیگم۔ (ہنس کر) مین تو ہوں نا اسی کی۔

پیر مرد۔ (بوسہ لیکر) انٹی کہاں کے۔ ابھی تو حال مین چالیس ہو
یوہے۔ کیا لوگوں کے بڑی بی کہنے سے تم سچ بچ بڑھیا ہو گئیں۔
بیگم۔ واہ واہ تم کو ذرا بھی لحاظ نہیں آتا۔

(تسک کر) نکر دن چاکرون کے سامنے ایسی بات۔ خدا کی قسم
یہ باتیں مجھے اچھی نہیں معلوم ہوئیں۔
پیر مرد۔ مجھے تو اچھی معلوم ہوتی ہیں۔

بیگم۔ بس رہتے دو۔ یہ تمہارے بوڑھے نخرے ہیں اتنے بین
بلیوں کی آواز آئی۔ میان بیوی دونوں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بلاؤ۔
ایک بلی کے پیچھے جوش مستی میں دوڑا چلا آتا ہے۔

پیر مرد۔ (بیوی کے طرف مخاطب ہو کر) اس مرد کو دیکھو کس قدر
دبنگا ہے۔ اور وہ کیسی نازک بار و شیطاں کو۔

بیگم۔ خدا کی قسم روزیہ مٹا اسی طرح اسکے پیچھے پڑا پھرتا ہے اور
وہ گھبرا کر بھاگتی ہے۔

پیر مرد (بیوی کی طرف دیکھ) جیسے کہ تم
بیگم۔ واہ وا۔ اب تو اور بڑھنے لگے۔ (ابرو میں گرہ ڈال کر) ایسی
باتیں کرو گے تو میں بھی تم سے بات نہ کروں گی۔

پیر مرد۔ بھہہ دیکھو۔ بات بات پر گبڑا سنا نہیں۔ مگر معشوقوں کا کام
ہی یہ ہے۔

اتنے مین بلاؤ اپنی مادہ کی طرف جھپٹا
 پیر مرد۔ لینا۔ لینا۔ لینا۔ دناریل کی شہنائی جو ہاتھ مین تھی اسکو
 دے مارا۔ بلاؤ اور بلی تو بھاگ گئے۔ مگر میان کی شہنائی جو ستون
 سے ٹکرائی چکنا چور ہو گئی۔ جل جلالہ
 بیگم۔ ہاے چلو شہنائی کو بھی خاک مین ملا دیا (تنک کراٹھنا
 چاہا)

پیر مرد نے روٹا پکڑ کر گھسیٹا۔ اتفاق سے دوپٹا سینے پر سی
 علحدہ ہو گیا۔

بیگم۔ (شرما گئیں جھٹ سے آ پخل سینے پر لے لیا۔ اور ہاتھ
 جھٹک کر کہا) اُدی آج ہوا کیا ہے۔ افیون تو معمول ہی کی کھائی
 تھی۔ پھر پیستی کیسی۔ کہیں بنگ تو نہیں پی لی۔
 پیر مرد۔ ارے بنگ بنگ کا ہے کی لگائی ہے۔ اس وقت
 جوش ہے طبیعت مین۔

بیگم (انگلی دانتوں مین دبا کر آہستہ سے)۔ اجی آج تمہیں ہوا کیا
 ہے ایسی بے حیائی کیوں لادی ہے۔ خدا کے لیے ذرا تو لحاظ

کرد۔ شرناؤ۔ یہہ دیکھو چھو کر یان مائیں منکر کہتی کیا ہونگی۔

پیر مرد۔ چھو کرنی رعفران تو چھوٹی ہے۔ اور شریفیہ رازدار خوف کس کا۔ شرم چہ کتی است کہ پیش مردان آید۔

بیگم۔ (حیرت سے) بس انتہا ہو گئی بے شرمی کی۔ مگر یہ کیا مسوجھا کہ شہنائی کا ستیاناس کیا۔

پیر مرد۔ آئین ستیاناس ہوا بلا سے مگر اُس بلاؤ حرام زادے کو کیسا تاک کر مارا کہ مستی وستی سب غائب ہو گئی۔ کیا معنی شریفیون کے ٹھہرین جاؤ بے ادبی سے اس طرح پھرن۔

بیگم۔ کیا جانوروں پر بھی تمہاری حکومت چلتی ہے۔ یہ تو واللہ انوکھی بات ہے۔

پیر مرد۔ بیشک ہم سب کو ادب سے رکھنا چاہتے ہیں۔

بیگم۔ اور آپ بے ادب رہیں گے۔

پیر مرد۔ نہنیں بیگم۔ میری پیاری بیگم تجھ پر قربان ہوئے کو جی چاہتا ہے۔ اب چاہا کہ پھر لپٹ کر بوسہ لین۔ مگر بیگم بھانپ گئیں جھبٹ سے دوپٹا چھڑا کر جو زقند بھری تو آہوسے صحران کو بھی شرمادیا۔

اتنے میں کسی نے آواز دی۔ شریفہ۔ او ماما شریفہ۔

ماما۔ ہاں آتی ہوں۔ کہہ کر گئی۔ اور واپس آئی۔

پیر مرد۔ کیوں شریفہ کون ہے۔

ماما۔ ستارا۔ میان نصیر کے پاس کا چھو کر اسے۔ کہتا ہے کہ میان

نصیر نے سلام کہا ہے۔ اور جلد آپ کو بلانے کا حکم دیا ہے۔

پیر مرد۔ آج پھر کچھ کہنا ضرور ہے۔ مگر کیوں یاد کیا (کچھ سوچ کر) ہاں

آج مجلس ہے خواجہ کی۔

زبان پہ بارِ خدا یا یہ کسا نام آیا

کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کو گری

شریفہ سے کہا کہ کہو۔ ابھی ابھی آتا ہوں۔ ذرا دو پہر کی افیون کھائیں

باتوں باتوں میں بارہ بھگئے۔

ہمارے پیر مرد۔ میان خوجی کے مرید پوپلے منہ سے۔ اپنی

بڑھی بیگم کے ساتھ چہچہا رہے تھے۔ اس وقت میان نصیر

نے جو یاد کی۔ فوراً دستار برسر۔ جادائی کا انگڑ کھا دربر۔ خنجر کمر میں۔

سروہی ہاتھ میں لیے ہوئے میان نصیر کے باغ میں ایسی پہونچے

جیسے تیر از کمان جستہ۔ انکے آنے تک محفل شروع ہو گئی تھی
ہو حق کی صدا بلند تھی۔ قوال یہ غزل گارہا تھا۔

صد شعلہ جنون رعیت بہ آشفته سہرما
زد پنجہ مترگان کہ بخون جگرما

بیٹھتے ہی بیٹھتے۔ ہمارے ظریف پیر مرد نے سبحان اللہ بارگاہ
کی صدا لگائی۔ اور ایک بڑے مشائخ کا پہلو دبا کر بیٹھ گئے۔

مشائخ کو بڑا معلوم ہوا کہ ایک نئی قطع کا آدمی دیکھا نہ تھا
دوش بدوش ڈٹ گیا۔ اور طرفہ یہ کہ سلام علیک بھی ندارد۔ جھلا کر
مگر کسی قدر متانت کے ساتھ کہا۔ ”ذرا دیکھ کر بیٹھئے۔“

پیر مرد (ترجمی نظر سے دیکھ کر) قبلہ دیکھ ہی کر بیٹھتا ہوں۔
مشائخ۔ بیٹھتے ہی بیٹھتے اپنے سبحان اللہ کہہ دیا۔ کچھ سمجھے
بھی کہ اس شعر کے کیا معنی ہیں۔

ایک ظریف طبیعت مگر سن رسیدہ صاحب دوسرے پہلو میں
بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے عرض کیا کہ یہ تعریف پیشگی تھی۔

اس فقرے پر مشائخ صاحب نے تبسم کیا۔ لیکن ہمارے

بڑے سپاہی نے جھلک کر کہا کہ یہ خواجہ کی محفل ہے۔ یا مسخرون
کی بزم۔ بس خاموش۔ یہ ڈانٹ ان بزرگوار کی ذرا اونچی آواز میں
تھی۔ دوسروں کے کان میں بھی اسکی بھنک پڑی۔ اور لوگوں
نے بھی آواز دسی کہ خاموش۔

بس چار طرف سناٹا ہو گیا۔ اور سب کے سب ہمہ تن سماع
کی طرف متوجہ ہوئے ایک شخص پر جو کیفیت طاری ہوئی اِلَّا اللہ
کہہ کر بوٹ گیا۔ ابھی یہ کیفیت ہی میں تھا کہ ہمارے ظریف الدولہ
سمیان پیر مرد بھی ادھر سے اِلَّا اللہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور
پھر دم سے گرے اور گرے بھی تو اُس بیچارے پر لوگوں نے
کہا سنبھالنا سنبھالنا۔ مگر یہاں ایسے زیر زبر ہو گئے کہ کیسکی پیش
نہ گئی۔ ہمارے پیر مرد زبر رہے۔ اور اس بیچارے ضعیف نے
بہت سی کر دھین بد لین کہ زیر سے زبر ہو جائے مگر تھا وہ ان سے
بھی زیادہ بڑھا صرف ہڈیوں کی مالا۔ اُسکا ڈھانچہ بلا مبالغہ طنبورہ تھا
پھر کیا پوچھنا ہے۔ اس چھتر چھاڑے جو پردے پردے میں بھی
اُس بیچارے کی بُری گت بن گئی الغرض اور دن نے ہمارے

ظریف صاحب کو علیحدہ کر لیا۔ دو نون سنبھل کر پھر اپنی اپنی جگہ بیٹھے۔
 اب اسکے بعد جو مجلس گرم ہوئی۔ بڑے بڑے صاحب نسبت
 اور صاحب مذاق جو شریک محفل تھے اور بادہ خوارانِ خمناۃ توحید
 ہونے کا دم بھرتے تھے اُن کو بھی حال آیا۔ یہ کیفیت درحقیقت
 پُراثر تھی۔ جس طرف ان کی نظر پڑ جاتی تھی۔ محفل کا رنگ ہی اور
 ہو جاتا تھا۔ جس کسی نے ایسی حالت میں اُن سے معاملہ کیا سنے
 مان لیا کہ ان کے قلوب کی تاثیر بیشک برتی ہے۔ اکثر نے نظر توجہ
 ہوتے ہی لباس تار تار کر دیا۔ اور ایسا روئے کہ ساری محفل کو
 لگا کر اُٹھے۔ دو گھنٹے کا مل محفل گرم رہی۔ انوارِ لٹھی کے مقدس
 تجلیات سے ہر طرف روشنی تھی۔ گنہگاروں کے دل بھی اس
 نور کے پرتو سے متور ہو گئے اتنے میں چار بیچے اور میر محفل یعنی
 ہمارے نوجوان میان نصیر نے ختم کے لیے حکم دیا۔ ختم کے بعد
 شیرینی تقسیم ہوئی اور محفل برخاست

شطب

بعد محفل برخواست ہونے کے ہمارے ظریف الدولہ نے
 میان نصیر سے کہا کہ میان آج کچھ مرغل گیا۔
 نصیر۔ نا نا تم بھی تو غضب کرتے ہو آؤ دیکھا نہ تاؤ دھم سے
 بیچارے بوڑھے پر گر گئے۔

پیر مرد۔ اے میان ہوش کسے تھا۔ ارے رے رے کمرؤ کھ
 رہی ہے۔ والتہ ڈبھی چوٹ آئی۔

نصیر۔ بیشک آئی ہوگی۔ مگر اس کا کیا حال ہوا ہوگا جو آپ کا زیر مشق
 تھا۔

پیر مرد۔ خدا جانے اور کیا ہوا ہوگا۔ ایک آدھ ہڈی اُسکی بھی ٹوٹی
 ہوگی۔

نصیر۔ تو پھر کیا یہ اچھا ہوا۔ آپ سے اُسکو نفع ہونا چاہیے تھا کہ
 نقصان۔

پیر مرد۔ اگر ہوش میں ہوتا تو (کراہ کر) اُسکی گپڑی تک لے لیتا۔
 اور بیک بینی و دو گوش نکال باہر کرتا۔

میان نصیر اس فقرے پر ہنسنے لگا کہ نا نا آج شطرنج کی ایک

بازی ہو۔ عظمت اللہ جو شطرنج میں اپنا جواب نہیں رکھتے
وہ آئے ہیں۔

پیر مرد۔ ہاں نام تو میں نے بھی سنا ہے مگر اس وقت تو کمر میں
اس قدر درد ہے کہ بیٹھا نہیں جاتا۔ علاوہ اسکے سنتا ہوں کہ وہ بغیر
شرط بدے کھیلتے نہیں۔ اور یہاں خرمہرو پاس نہیں۔ اگرچہ
تمہاری سلامتی میں گھوڑا۔ جوڑا سبھی کچھ ہے مگر مبلغ علیہ السلام
ادھر آئے اور اُدھر نوچکر ہوئے۔ گویا کشت مات۔

نصیر۔ ہم آپ کی جانب سے دیگے۔ ایک بازی ہو تو جائے
الغرض پیر مرد اب راضی ہوئے اور عظمت اللہ شطرنج باز
بائے گئے بساط بچھی۔

پیر مرد۔ کیوں میان عظمت اللہ ہمیں پہچانتے ہو۔

عظمت اللہ۔ جی ہاں کچھ پہچانتا ہوں۔

پیر مرد۔ تمہارے باپ کے اور ہمارے بہت یار اہل تھا۔ لکھنؤ
میں دو سال تک جب رہنے کا اتفاق ہوا تھا تمہارے ہی مکان
میں رہا تھا۔ اُس وقت تمہاری عمر کوئی نو دس برس کی ہوگی۔ اور اب

ماشاء اللہ سے تم تیس پینتیس مین ہو گے۔

عظمت جی نہیں یہ چھبیدو ان سال ہے۔

پیر مرد۔ ان بس اتنی ہی عمر ہوگی۔ مگر تم نے اس مین کس سے کمال حاصل کیا۔

عظمت شوق سے۔

شوق در ہر دل کہ باشد رہبری در کار نیست

میان نصیر نے عظمت اللہ سے کہد یا تھا کہ یہ بوڑھے میان زود رنج ہیں۔ ان کی باتوں پر خفا ہونا۔ لیکن مذاحا تو ک جھونک ہوتی ہے اور تیرو ایسے رہیں کہ بس اب گتھم گتھا ہوا چاہتی ہے۔ عظمت اللہ اس منتر سے واقف ہو ہی چکے تھے۔ پیر مرد سے کہنے لگے کہ بغیر شرط کے ہم نہ سکھیلین گے۔

پیر مرد۔ ابھی تم بچے ہو۔ شرط کیا بدو گے۔ خواہ مخواہ بار جاؤ گے۔ اتنا سامنے لیکر جانا ہوگا۔

عظمت۔ جو کچھ ہو مگر مین کبھی بغیر شرط بدے کھیلتا ہی نہیں۔
پیر مرد۔ اچھا تو پھر کیا شرط بدو گے۔

عظمت - دوسو روپے فی بازی مقرر ہیں۔

پیر مرد نے نصیر کی طرف دیکھا۔

نصیر نے اشارہ کیا کہ قبول کر لو۔

پیر مرد - (عظمت کی طرف دیکھ کر) اچھا قبول مگر دست مہرے کی شرط ہے۔

عظمت - بہت خوب۔

اب شرط بچ شروع ہوئی۔

پیر مرد - چلو بسم اللہ۔

عظمت - آپ چلیے نا۔

پیر مرد - نہیں تمہیں چلو۔

عظمت - بسم اللہ کہہ کر مہرہ چلے۔ چوتھی چال میں ہی پیر مرد کا رخ مار لیا۔

پیر مرد - دجھلا کر اکبخت رخ مارا گیا۔ میں جب ہی کہتا تھا کہ کمر میں درد ہے۔ آج مجھ سے نہ کھیلا جائیگا۔ خیر۔

عظمت اللہ نے فرزین کے سامنے کے پیادہ کو بغیر زور دے لے

بڑھانے کا ارادہ کیا۔ مگر مہرے پر ہاتھ رکھ کر دو تین دن پہنچ گئے
 کے بعد چھوڑ دیا۔ پیر مرد نے وہ مارا کہہ کر اس پیادے کو خود
 ہی بڑھا کر مار لیا۔ کہا کیون میان دست مہرے کی شرط تھی۔ پھر یہ
 پلٹنا کیا۔ بازی بازی باریش بابا ہم بازی

عظمت اللہ (سروہی پر ہاتھ ڈال کر سر اڑا دوں گا۔ کچھ اور سمجھنا۔
 (سنبھل کر)۔ کیون ہم بڑھاپے کی عزت کرنے لگے تو بابا بھی بنے۔
 پیر مرد۔ (اپنی سروہی کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر) یاد رکھنا ہاشمی النسل
 ہوں۔ ابھی تم بچے ہو۔ کمر کر بانی ہے۔ ایک ہاتھ لگاؤں تو سروہی
 بجلی کی طرح چمک کر سر سے ایسی الگ نکل جائے کہ جسم کو بھی خبر
 نہ ہو (نصیر کی طرف دیکھ کر) کیون میان کیسا باتوں باتوں میں تاجہ لگایا
 ہے کہ میرے وار کی روک بھی نہ ہو سکی۔ آخر بچہ ہے یہ کہہ کر تہنہ اور
 کہا کہ عظمت اب توشہ بغیر فرین کو دیے نہیں رکتی۔

عظمت اللہ۔ غور کر کے لاجول دلا تو۔ ہنسی ہنسی میں میں نے
 فرین کھو دیا۔

نصیر۔ کیا فرین دنیا پاڑا۔

عظمت - جی ہاں کہہ کر بازی اٹھادی اور نعلین جھانکنے لگے۔

نصیر - کیا دانستہ اپنے ایسا کیا۔

عظمت - ہنیں خدا جانے آج کیا شامت اعمال تھی کہ اس بڑھے سے پانچوین چال بین ہار گیا۔

پیر مرد - (سوچھون پرتاؤ دیکر) کمرین درد نہ ہوتا تو پیادہ مات دیتا۔
راوی سبحان اللہ کمر کا درد ہی تو حائل تھا۔

نصیر نے آہستہ سے انگریزی مین عظمت سے پوچھا کہ دراصل یہ بازی کیونکر ہری۔

عظمت نے کھا کہ آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ ورنہ یہ بیچارہ ابھی اور اتنی عمر بھی لائے گا تو نہ جیت سکے گا۔

پیر مرد - (نصیر سے) میان وہ دس سو روپے اور سو روپے انعام کے دھردو بائین ہاتھ سے۔

میان نصیر نے بڑھے کی خاطر سے تین سو روپے منگادیے۔ اور کیون نہ منگادیتے کہ شادی کے معاملے میں انھین نے تو کام کیا تھا۔ کسی جیلے سے ہوسلک کرنا تھا۔

تارین کا میلہ

ہمارے حیدر آباد فرزندہ بنیاد کو خدا نظر بد سے بچائے۔ یہاں کی
سیلون کی جیسی رونق ہر سال ترقی پر ہے۔ شاید کہیں ایسی۔

میان نصیر جگت نانا۔ قلندر شاہ۔ یہ تینوں چوڑے مین
سوار میلہ دیکھنے کے لیے جا رہے ہیں راستے میں گاڑیوں کا سلسلہ

لگا تار۔ شکر میں جدا۔ رتھوں کی نہ پوچھیے۔ اُن میں مہوشان پر حیل
کا جلوہ ایسا نظر آ رہا ہے۔ جیسے برج محل میں آفتاب جھٹکوں کی قطار

اگ لگی ہوئی ہیں۔ چلتے چلتے چوڑا ایک جگہ رُک گیا۔

پیر مرد۔ (کوچوان سے) کیوں میان دھیمے کیوں پڑے۔

نصیر۔ شاید کوئی گاڑی یا رتھ سامنے آ گیا ہوگا۔

پیر مرد۔ سائیس سے کہہ دو کہ ہٹا دو۔

نصیر۔ نانا راستے میں بھی آپ ٹوک کی لیتے ہیں۔ کہیں بے موقع

کسی سے بگڑ نہ جائیے گا۔

قلندر۔ والد اس بوڑھے کی اکثر باتیں فسانہ آزاد کے خوبی کی سی

ہیں۔

پیر مرد۔ لا حول ولا قوۃ۔ وہ تو کوئی مسخر تھا۔ دھول دھتے کھاتا
تھا۔ ہم شریف۔ بہادر۔ جیالے۔ سپاہی۔ ہاشمی النسل۔ بھلا

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

قلندر۔ جی سب کچھ سہی۔ مگر آپ بھی وہیں کی خاک سے ہیں۔
جہان کی خاک خو جگر کی تھی۔

پیر مرد۔ خبردار پھر نسبت دینا خوب ہے۔

نصیر۔ راستے میں جھگڑا کیسا۔ ذرا خیموں میں چلو۔ وہاں چاہے
آپس میں لڑ لینا۔

غرض بگو بنو بدقت راستہ طے کر کے میان نصیر اپنے خیمے
میں داخل ہوئے دیکھتے کیا ہیں کہ سال گزشتہ جو رونق سیلے کی
تھی ابکے اُس کی آدھی بھی بھین لیکن تب بھی سواریاں ہیں کہ چلی
آتی ہیں۔ غٹ کے غٹ مٹھٹ کے مٹھٹ۔ پانکے

شہدے۔ گرہ کٹ۔ اٹھائی گیرے۔ چریے۔ مد کیے۔ گنجیرے
بھنگیرے۔ شریف و نجیب۔ اُٹے چلے آ رہے ہیں۔ نادان

ہوا دار۔ فنس۔ بوجہ۔ پالکی۔ رہوارِ بادِ رفتار۔ ہاتھی۔ ٹٹو۔ گھوڑے
 سب خزانِ خرامان پو قد سے رنگیلوں۔ چھیل۔ چھیلوں کی بنائی
 ہے۔ تنکیلے۔ بانکے جلوہ نمائی میں مصروف ہیں۔ کوئی تو گوریوں
 کا خون کر رہا ہے۔ اور کوئی گائے میں مست۔ کیونکہ نظارہ بازی کی
 سوچھی ہے۔ ایک متوالا جھکے شملے کے پیچ گلے میں آگئے ہیں
 لڑکھڑاتا ہوا۔ میانِ نصیر کے خیمے کے قریب پہنچ کر میانِ نصیر
 او میانِ نصیر۔ او میانِ خدا تجھے سلامت رکھے۔

پیر مرد۔ چل دور ہونٹے میں چور بکواس لگائی ہے۔
 مست۔ کیون میان بڑھے۔ آئی ہے کچھ کج بنی یا دن سہی
 پیر مرد۔ جلتا ہے کہ نہیں۔ لگاؤن دو بید
 مست۔ تو کیا لگائے گا۔ یہ لے کھ کر ہاتھ میں جو چھڑی تھی وہ
 حضرت کے رسید کی۔

پیر مرد۔ کیون سے پاجی۔ آخر وار چلا ہی دیا کھ کر جو جھپٹے بس چپٹ
 گئے اگرچہ وہ مست ان سے چوگنا تھا مگر نشے کے باعث تمام اعضا
 اُسکے ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ مقابلہ نہ کر سکا۔ دھم سے زمین پر گرا۔

پیر مرد - (موجھوں پر تاؤ دیکر) ہاٹ تیرے بے ایمان کی وہ مارا۔
 اس زور سے کہا کہ میان نصیر نے پیر مرد کی جو آواز سنی نیچے کے
 باہر آئے۔ دیکھا کہ جلگت نانا موجھوں پر تاؤ دیکر وہ مارا۔ وہ مارا کی
 صدا کو دہرا رہے ہیں۔
 نصیر - کیا ہے نانا۔

پیر مرد - دیکھو نانا میان۔ اس بے ایمان نے ہم پر چھڑی کا وار
 کیا۔ بجلا ہاشمی بچے کہیں رکین گے۔ والدہ سچنی دمی کہ چاروں
 شانے چت۔

نصیر - والدہ نانا ایسے دہنگے کو آپ نے دے مارا۔
 اتنے میں قلند شاہ خیمو کے باہر آئی اور اُنھوں نے یہ واقعہ سنکر قہقہہ
 لگایا۔

پیر مرد - کیوں ہنسی کا کیا موقع تھا۔
 قلندر - تف ہے ایسی زندگی پر۔ اُس بازاری کے ہاتھ سے
 چھڑی کھانی۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ وہ مست شراب پھر مجھوتا ہوا بڑا مار چاہا

کہ چیل کی طرح پیر مرد پر جھپٹا مارے لیکن میان نصیر کے خدمتگاروں
نے گردنیاں دیکر نکال دیا
اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک رتھ سامنے سے گزرا۔

اس میں رند یون کا طائفہ تھا۔ اُن میں سے ایک شاہزادہ ترن
بنا گوش طاؤس طناز با صد ہزار عشوہ و ناز عاشق کُشن شکر نے
میان نصیر کو جو دیکھا جھاک کر سلام کیا۔
پیر مرد (رہنٹے ہوئے) کیا مجھے سلام کرتی ہو۔

رند می۔ ادنیٰ خدانہ کرے (انگوٹھا دکھا کر) سلام کرے میری باپو
میان نصیر نے پیر مرد سے کہا کہ راستے والے دیکھ رہے
ہیں۔ خاموش ہو جائیے۔ مگر پیر مرد نے ہزاروں قسمیں دین کہ
یہ طائفہ یہاں بلایا جائے۔ گانا دانا نہ سہی خالی گپ شب اور بڑا
کی دکان سجاؤں گے۔

قلندر۔ نے بھی اتفاق کیا۔

میان نصیر کو ان دو لڑکوں کی خاطر منظور تھی۔ خان مان کو حکم دیا
کہ یہ طائفہ ٹھہرا لیا جائے۔ لیکن بندوبست اسکا رہے کہ خیمے

مین کوئی آنے نہ پائے۔ بلکہ اطراف میں بھی لوگ جمع نہ ہوں۔
 قلندر شاہ نے بھی اُس قتالہ عالم کے حُسن کو جو دیکھا۔ صانع
 قدرت کی صنایع پر عیش عیش کر کے یہ کہا۔

اشعار

میشک بازلف او جگر حواری
 گل وریحان ربارغ افسارے

قدیر اندر اختہ چو سرو بباغ

روے اندر اختہ چو شمع و چراغ

خوابِ زگس خسارِ دیدہ او

نازِ سرین درمِ خریدہ او

رستہ کھڑا ہو گیا۔ اور خانساں سب کو خیمے میں لایا۔ سب نے عجا
 عرض کیا۔ اور ادب سے بیٹھ گئیں۔

پیر مرد۔ جیسی واللہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر پابقتہ نور ہے۔ نور بھی
 اسکے آگے چکنا چور ہے۔

راوی۔ سبحان اللہ نور۔ اور چکنا چور کا قافیہ تو مل گیا۔ مگر کس

محل پر۔ سبحان اللہ قربان اس سمجھ کے۔

پیر مرد۔ قلندر سے (بھائی۔ اگر مہوشانِ خلع و نوشاد۔ اس پر بزد کو کنکسیوں سے بھی دیکھ لیں تو واقعہ بندہ بے دام نہجائین آہستہ سے دونوں نے اُس البیلی نکیلی سے کہا کہ اس وقت تمہاری رفتار کبابِ درمی سے کم نہ تھی خیمے میں تمہارا آنا ہمو مبارک۔ اور ہم ہمو مبارک۔

مہوش۔ خدا آپکو بھی مبارک کرے۔ مگر آپکی وضع مجھے نرالی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے کہیں آپکو دیکھا ہر گز آپکے اور اُس روز کے لباس میں کچھ فرق ہے۔

پیر مرد۔ وہ کس روز تم نے دیکھا تھا۔ میں نے تو تمہیں آج ہی دیکھا مہوش۔ (اپنی ہجولی سے کچھ بات کر کے) آپ بابا شرف الدین صاحب کے عرس میں چائو کی دکان لگا کر بیٹھے تھے۔ ہم نے چار پالیان چائو کی بھی آپ سے لیکر پی تھیں۔ آج یہ منساحب کیوں کر نکلے (میانِ نفیر مسکرا کر خوش)

قلندر۔ (پیر مرد سے) کیوں میان یہ کیا ہے

پیر مرد۔ بخدا اس وقت خون آنکھوں میں اُتر آیا۔ کیا کروں معشوقہ
ہے۔ ورنہ دو کر دیتا۔

مہوش۔ ادنیٰ خباہت کرے۔ کسکی معشوقہ اللہ اللہ۔ آپ سپاہی
بھی ہیں۔

پیر مرد۔ دیکھو ہم سے منہ ہلکے گفتگو کرنا۔ ہم فقط تمہارے عورت
ہونے کی وجہ سے صبر کر کے رہ گئے۔

تفسیر (ہنڈی سے) غضب کیا جو چاہے والے سے تم نے
نسبت دہی میں اُسکو خوب جانتا ہوں وہ اور ہے خدا نخواستہ
یہ کیوں ہونے لگے تھے البتہ اتفاق سے وہ ان کا ہم شبیب
ہے۔ اکثر دھوکا ہو جاتا ہے۔

قلندر۔ ہاں ہاں (ہنسکر) واللہ مرزا مہدی چاہے فروش
بخدا واقعی ہمارے بھائی صاحب کا ہمشکل ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا
ہے۔ کہ دونوں ماجائے ہیں۔

پیر مرد۔ (احْوَلْ دَلَا قُوَّةَ لَعْنَتِہِ اُس چاہے فروش پر)
چہ نسبت خاک را یا عالم پاک

مہوش - نانا غلطی ہوئی معاف فرما۔ بخدا مجھے دھوکا ہوا۔
 پیر مرد - آئین نانا نہ کہنا۔ بس ہم نے تو تمہیں معشوقہ کہدیا۔ اب
 آج سے ہم تمہارے عاشق اور تم ہماری معشوقہ۔
 مہوش - (مفتقہ مار کر) والدہ تمہیں سے اب عقد کرونگی بے فکر
 رہو۔

پیر مرد - خدا کی قسم میں جیسی سمجھ گیا تھا کہ تم مجھ پر لٹو ہو گئیں۔
 ابھی یہ باتیں ناتمام تھیں کہ اس نے میں ایک سواریا اور خاندان
 کو خط دیا جب پر ضروری لکھا ہوا تھا۔ خاندان نے میان نصیر
 کو خط لا کر دیا۔

نصیر نے ضروری خط کو لیکر چاک کیا پڑھتے ہی چونک
 پڑے اور بے اختیار زبان سے نکل گیا خدا خیر کرے۔
 قلندر - کیون خیر باشد۔

پیر مرد - کچھ تو فرمائے۔
 نصیر ہنسی مبارک علی نے لکھا ہے کہ دفعۃً والد کو
 غل اگیا۔ گر گئے سر میں سخت چوٹ آئی۔ ڈاکٹر بھی بلائے

گئے ہیں۔

مصاحبین - خدا فضل کرے۔

قلندر - خیریت ہے۔ صفرے کے باعث ہوگا۔

الغرض سارا مزہ کرکرا ہو گیا جھٹ پٹ سب کے سب گڑی

میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ اور جاتے جاتے دوا مٹریاں اُس

مہوش کو اپنی جیب سے میان نصیر نے نکال کر دیں۔

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

ہمارے نوجوان نصیر فرزندِ دلبرِ نوابِ ذیشان تاڑ بن کے

میلے سے مصاحبین کے ساتھ واپس آئے۔ اور کھٹ سی

اپنے والد کے مکان میں داخل ہوئے۔ یہاں کارنگ ہی کچھ

اور ہے۔ سب کے منہ پر ہوا نیان اڑ رہی ہیں۔ میان نصیر کا

منجھلا بھائی جسکی عمر گیارہ سال کی ہے اور جسکا نوابِ ذیشان نے

منصور نام رکھا ہے۔ خانساں کے پاس کھڑا رہا ہے۔ ڈاکٹر

حکیم دید۔ سب جمع ہیں۔

نصیر (خانساں سے) کیون خیریت۔ والد کہاں ہیں۔ مزاج

کیا ہے۔

خانساں جان جی اندر محل میں بہن۔ اب تک ہوش نہیں آیا۔
 نصیر۔ اندر محل میں سدا رہے۔ نواب کی بیوی نے اپنے فرزند
 دلہند کو جو دیکھا تو آنسوؤں کا تار باندھ دیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے
 لگیں۔

نصیر۔ کیون امان جان خیر ہے روتی کیون ہو۔ سب طرح فضل
 الہی ہے

بیگم۔ بیٹا۔ دیکھو نا تمہارے والد کو اب تک ہوش نہیں آیا۔
 نصیر نے والد کی نبض دیکھی بفضلہ نبض کی رفتار میں اعتدال
 تھا۔ اپنی والدہ سے کہا کہ جاے خوف نہیں۔ مگر علاج کیا کیا گیا۔
 بیگم۔ ڈاکٹر کہتے ہیں برت باندھی جائے۔

نصیر۔ تو کیا اب تک برت باندھی نہیں گئی۔

بیگم۔ جان بوجھ کر اس قدر سر و چیز سر پر کیوں کر باندھوں۔

نصیر توبہ توبہ امان جان گویا اپنے دو گھنٹے سے کوئی علاج
 ہی نہیں کیا۔ خدا کی قسم بعض وقت آپ کے خیالات سے طبیعت

الچھ جاتی ہے۔ طبیبوں کی رائے میں آپ کو کیا دخل۔ سداب
آپ ہٹ جائیے۔ میں ڈاکٹروں کو بلا کر علاج کرتا ہوں۔ دیر
اچھی نہیں۔

بیگم۔ اے بیٹا۔ بیشک حکیموں کی رائے میں ہکو دخل نہیں
مگر سر دینر جان بوجھ کر کس طرح میں باندھتی۔ یا باندھنے دیتی۔ تو
ولایت کیا جا کر آیا۔ کوئی بات تیری سمجھ میں ہی نہیں آتی۔
نصیر۔ میری سمجھ بڑی سہی لیکن اسوقت آپ خدا را مہربانی فرما کر
دراگوشتی میں ہو جائیں۔

بیگم۔ دیکھ بیٹا تیرا باپ ہے سنبھل کر علاج کرنا۔ میرے تو ہوش
و حواس گم ہیں۔

نصیر۔ ہاں بیشک آپ کی رائے اسوقت علیل ہے آپ بے فکر
رہیے۔ بسم اللہ گوشتی میں جائیے۔

بیگم۔ پردے میں چلی گئیں۔ میان نصیر نے ڈاکٹر صاحب کو اندر محل
میں لا کر مریض کے نزدیک بٹھلایا۔

ڈاکٹر نے نبض دیکھی کہا کہ خیریت ہے فوراً برف سر پر باندھو اور

امونیا ٹنگھاؤ۔ ڈریسر امونیا کی شیشی لایا۔ اور برف سر پر باندھی گئی۔ دس منٹ کے عرصہ میں نواب کو ہوش آیا۔ مگر ناتوانی بہت ہے۔

نصیر۔ (ڈاکٹر سے) کیا سبب ہے کہ ہوش میں آکر پھر آنکھیں بند کر لیں۔

ڈاکٹر۔ سر پر جو چوٹ آئی ہے یہی باعث ہے۔ ونیم ٹی مونی کی دو تین خورا کون سے فائدہ ہو جائے گا (لمحہ لکھ دیا)۔

ڈریسر۔ دو اتیار کر کے لایا۔ اس عرصہ میں ایک بار نواب کو پھر ہوش آیا اس کے بعد جو اس قائم رہے۔

ڈاکٹر۔ کیون نواب صاحب مزاج کیا ہے۔

نواب۔ (دھیمی آواز سے) الحمد للہ

نصیر۔ آبا جان۔ اب دُور ان سر تو نہیں ہے۔

نواب (اشارے سے) ابھی باقی ہے۔

نصیر۔ انشاء اللہ اب کم ہو جائے گا۔

ڈاکٹر علاج کرنے میں مصروف ہوا۔ اتنے میں ماما کھلاڑو نے

میان نصیر سے آکر کہا کہ بیگم صاحبہ نے یاد فرمایا ہے۔
 یہ ماما کھلاڑو خوش وضع بانگی بڑی ہوشیار ہے۔ تمام
 دیوڑھی گویا اسی کے ہاتھ میں ہے اندر سے باہر تک سب
 اسے کانپتے ہیں۔ جوان ہے زبان کی طرتی۔ مگر باعصمت۔
 اجنبی کوئی دیکھے تو سمجھے کہ اس کا روئیہ اچھا نہیں مگر اس کا شرمیلان
 اسکی پاکدامنی کا شاہد ہے۔

میان نصیر نے کہا کہ والدہ سے عرض کرو کہ ابھی آتا ہوں۔
 نصیر۔ اپنی والدہ کو دوا کی ایک خوراک پلا کر اندر روانہ ہوئے۔
 بیگم۔ کیون بیٹا کیسا ہے مزاج تمہارے والد کا۔
 نصیر۔ الحمد للہ خیریت ہے۔ دیکھیے بروت باندھنے سے کس قدر
 جلد نفع ہوا۔

بیگم اے میرے اسدا آخر برف باندھی گئی۔ اے ہے مجھے
 تو سنسنی آگئی۔ دل گھل گیا خدا کی قسم میرے ہاتھ دیکھو کس قدر
 ٹھنڈے ہو گئے ہیں۔

نصیر۔ آپ اس قدر گھبرائی کیوں ہیں۔ کیا برف خدا نخواستہ زہریلا

یا ڈاکٹر اور وہ بھی بچپن کا رفیق دشمن ہے۔

بیگم - نہیں بیٹا۔ اس زمانہ میں کسی کی دوستی کا اعتبار نہیں۔
 نصیر - اعتبار پر دنیا کے کام چلتے ہیں۔ ورنہ زندگی محال ہو جائے۔
 بیگم - سچ ہے مگر آج کل کے زمانہ میں ایسے لوگ کم ہیں۔ ان
 حکیم اور ڈاکٹر اور ویدوں کا کیا بھروسہ جس نے روپیہ دے دیا
 اسی کے ہوسے خواہ مخواہ زہر پلا کر مار ڈالتے ہیں۔

نصیر - استغفر اللہ یہ آپ سے کس نے کہا سراسر لغو اور بہتان
 ہے۔

بیگم - ہم جو سنتے ہیں وہ تم سے کہہ دیتے ہیں پردہ کی بیٹھنے والی
 کو کیا معلوم۔ تم جانو تمہارا کام جانے۔ مگر دیکھو اعتبار کرو تو ایک
 حد تک اعتبار کے بھروسے پر جان جو مکھون میں نہ ڈال دینا۔

نصیر - ایسا بھی کوئی کرے گا۔ بعض بے ایمانوں نے بڑا ایمانی
 کی ہوگی اور کسی دشمن سے ملکر زہر دے دیا ہوگا۔ مگر اس پیشے
 کے لوگ ہرگز ایسا نہیں کرتے۔ اور سب سے پہلے ان کو ہدایت
 اسی کی ہوتی ہے۔ کہ سب عورتوں کو نیک نظر سے دیکھنا دوست

دشمن سب کو ایک سمجھنا۔ دولت کی غرض سے کسی کے ساتھ
 بے ایمانی نہ کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چونکہ اس پیشے کے لوگ
 شائستہ ہو گئے ہیں اس لیے ان میں جس قدر نیکیاں اور عمدگیاں
 پائی جاتی ہیں ان کی تقلید اگر دوسرے پیشے والے کریں تو زیبا
 ہے۔

بیگم۔ مان بیٹا سچ کہتے ہو ہم بیچارے پڑھی نہ لکھی گاؤں کے
 گنواروں کی طرح زندگی بسر کرتی ہیں تمہارے باپ نے خزانہ کو
 سلامت رکھے ہر طرح سے نباہ لیا اب تمہاری جوانی سے تم کو
 جو تجربہ ہو گا وہ ہم کو ہو نہیں سکتا۔ البتہ اب تمہاری ہی تعلیم یافتہ
 آئے گی وہ ہر طرح سے تمہارے ہم خیال ہو گی۔

نصیر۔ نہیں امان جان میرے عرض کرنے سے یہ مطلب نہیں
 تھا جو آپ سمجھی ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ ہم ہزار خواندہ ہوں تو
 کیا جب کام وہی کرے گا۔ ہر کارے و ہر مردے۔ دنیا کا دستو
 بھی یہی ہے کہ جس فن کا آدمی ہو اُس سے وہی کام لیا جائے۔
 اور حتی المقدور تا وقتیکہ کوئی نقص نہ پایا جائے اُس کام میں حوصلہ

نہ دیا جائے۔ اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیے کہ بروٹ باندھے پانچ منٹ
ہنہیں ہوئے تھے کہ ابا جان ہوش میں آگئے۔ اگر اُسی وقت
یہ علاج کیا جاتا تو اب تک بہت کچھ افاقہ ہو چکا ہوتا۔

بیگم - خیر بیٹا جو کچھ ہوا اچھا ہوا ہلکواُن کی صحت سے غرض
بفضلہ رفتہ رفتہ ہمارے نواب ذیشان کو صحت ہوتی چلی تمام

شب یون ہی کچھ خفیف سی حرارت اور نا ٹوٹانی رہی۔ صبح کو خدا کے
فضل سے بھلے چنگے ہو گئے۔ بیگم صاحبہ نے صدقے سیلے
اُتارے فقر کو انداج تقسیم کیا۔ خیرات دی۔ میان نصیر بیہان کے
رواج کے موافق امام صنامن کی پانچ اشرفیاں اپنے والد کے بازو
پر باندھ کر باغ جانے کی اجازت حاصل کر کے روانہ ہوئے۔

نواب ذیشان مجلس اسے باہر برآمد ہوئے حوالی موالی جمع تھو
سب آداب بجالائے میان پیر مرد جگت نانائے نزدیک پہونچکر
دعاے عمر و دولت کے بعد تین بار قل ہو اللہ تین بار معوذتین
اور آیۃ الکرسی اور ناد علی پڑھ کر دم کی۔

نواب نے فطر اخلاق سے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اتنے میں میان

قلندر بچو بچے اٹھنوں نے بھی دعا سے درازی عمر دیکر مزاج پر سی
 کی۔ نواب نے جواب دیا کہ الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ قلندر نے
 وجہ دریافت کی۔ نواب نے کہا کھل اتفاق سے نوب کے سکندر بابا
 گیا تھا۔ وہاں سے واپسی میں دیر ہوئی۔ بارہ بجے کے قریب
 جب افضل گنج کے پل کے قریب پہنچا۔ میرے ایک دوست نے
 کہا کہ افضل گنج کے پل کی کمان جب کا پایہ ٹوٹ گیا ہے تعمیر ہو رہی
 ہے اُسے میں بھی چلکر دیکھوں میں اُن کی خاطر سے وہاں گیا اور کوئی
 دو بجے تک دھوپ میں کھڑے رہنے کا اتفاق ہوا۔ رومی ٹوپی
 تھی تمازت آفتاب کے باعث دماغ میں خدا جانے کیا ہوا وہیں
 دوران سر شروع ہو گیا۔ اتفاقاً کسی نے کہا کہ مدارالمہام صاحب
 کی سواری آئیوالی ہے۔ فوراً میں نے وہاں سے مکان واپس
 آکر لباس بدلایا نہ دھویا اب چاہتا تھا کہ کچھ کھانا کھاؤں دفعتاً
 چکر معلوم ہوا۔ اسکے بعد مجھے ہوش نہ رہا۔

قلندر - بس بس میں سمجھ گیا لو لگی۔ ضرور لو لگی۔ اور کچھ نہیں بہر
 حال خدا نے فضل کیا۔

مولانا مولوی شیخ امام علی صاحب ہمدے وطن کو
 پہنچنے والے مہین عالم متحضر فائنل اکمل۔ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے
 ہیں۔ جس روز کیسے لے آؤں۔ واعظ بہت اچھے ہیں۔ معرفت
 کے خزانے کی کنجی تو اُنکے ہاتھ میں ہے۔ خریطے کے خریطے
 انمول لائی آبدار حقایق سے بھرے ہوئے ہیں اور پھر نری مولوی
 اور واعظ ہی نہیں۔ انگریزی میں خدا جانے بی۔ اے۔ کی ڈگری
 ہے یا کیا۔ سیاست اور تمدن میں گفتگو کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اپنے
 زمانے کے بغمت خان عالی ہیں یا بیربر اور تاراج میں تو
 زندہ تاریخ ہیں۔

نواب۔ والد جامع الصفات ہیں۔ کل ضرور لیتے آئیے انشاء اللہ
 نعلے ملون گا۔

ایک سیاح سے ملاقات

نواب ڈیستان اپنے دولت کدہ میں برآمد ہیں اور ظریف الدولہ
 (جگت ناما) سے جو ساری طرح ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔ باتیں ہو رہی

ہیں۔

پیر مرد۔ کیوں میان آج ابھی تک کوئی صاحب نہیں آئے حالانکہ کل آپ نے رفیق اور قلندر سے کہہ دیا تھا کہ آج جمعہ ہے شکار کے لیے جائیں گے آخروہ لون و فادہ کیے۔

نواب۔ ابھی تو صبح کے سات بجے ہیں غالباً آتے ہی ہوں گے۔ پیر مرد۔ اے واہ۔ ایسی حاضری پر تین حرف۔ مابہ دولت کو دیکھیے کہ پانچ بجے سے ڈیوڑھی میں حاضر ہیں۔ حالانکہ شب میں ہماری بڑھیا کو خفیف سا بخار بھی آگیا تھا۔

نواب۔ کیوں خیریت۔ بخار کا باعث خطرناک و امتزاج فصلیں ہوگا۔

اتنے میں غائب ہونے حاضر ہو کر کہا کہ قلندر شاہ آئی

ہیں۔

نواب۔ یادش بخیر۔ مہالو۔

قلندر شاہ پہونچے۔ اور علیک سلیک کے بعد ایک گرسی پر

بیٹھ گئے۔

نواب - کیون حضرت آج آپ نے اتنی دیر لگائی۔
 قلندر - مولوی صاحب کو آپ نے لانے کے لیے کہا تھا۔ اسلیں
 آج اُن کو ساتھ لیتا آیا۔

نواب - کون مولوی صاحب مولوی شیخ امام علی
 قلندر - جی ہاں۔

طریف - واہ آج تو شکار کے لیے دل مائل بصرہ ہے۔ اور
 آپ مولوی صاحب کو لائے ہیں۔ وہ ان کا کیا کام۔

قلندر - (پرہیز سے) ارے میان تم کو جب سُوجھتی ہے ایسی ہی
 سُوجھتی ہے۔ اگر یہ بھی شکار میں رہیں تو کیا مضائقہ ہے۔

نواب - نہیں نہیں۔ ان سے ابھی مل لین گے۔ پھر کسی روز
 شکار کے لیے جائیں گے۔

طریف - (قلندر کو گھر کر) لا حول ولا قوۃ عجب وحشی آدمی ہو
 صبح سے شکار کے شوق میں شاہین بنے بیٹھے تھے دو لفظوں میں
 مزہ ہرن کر دیا۔

نواب - کیا مضائقہ ہی نا۔ مولوی صاحب ایک مرد سیاح جہان نیدہ

ہیں۔ اُن کی صحبت سے فیض اُٹھانا چاہیے۔

ظریف - والد اس قلندر نے ہماری ایوب کی نشہ خاک
میں ملا دیا۔ اب وہ فرصت نہ رہی۔

نواب نے قلندر سے کہا کہ مولوی صاحب کو بلاؤ۔ مولوی صاحب
آئے اور نواب زینے تک استقبال کر کے لائے۔ اور کرسی
پر بٹھلایا۔

نواب - الحمد للہ آج تمنا پوری ہوئی۔
سیاح - جی ان کُلّ امر مہون باوقاتیہا۔
نواب - مزاج شریف۔

سیاح - بفضلہ خیریت سے ہوں۔
نواب - اسکے قبل بھی کبھی آپ حیدر آباد آئے تھے۔
سیاح - سترہ مین آنا ہوا تھا۔ لیکن دو چار روز ہی قیام رہا۔
نواب - کیوں۔ اس قدر عجلت کے ساتھ واپسی کیوں ہوئی۔

سیاح - کچھ ضروری خانگی کام تھا۔
نواب - آپ کے علم و فضل کا حال قلندر شاہ نے بیان کیا۔ ماشاء اللہ

آپ منتخب روزگار ہیں۔

سیاح - یہ صرف آپ کی قدردانی ہے در نہ میں تو ایک سیاح ہوں۔

نواب - اب آپ کا سن کیا ہوگا۔

سیاح - پچھتر یا ایک دو سال زیادہ۔

نواب - ماشاء اللہ آپ کا سن تو اتنا نہیں معلوم ہوتا۔

قلندر - جی ہاں۔ قومی ان کے تگرے ہیں۔

ظریف - یہ تگرے کیا لفظ ہے

نواب - پنجابی زبان میں تگرے کے معنی مضبوط کو ہیں۔

ظریف - دکن میں پنجابی زبان کے لائے کی ضرورت کیا تھی۔

قلندر - جسطرح اردو کی رنگ آمیزی۔

ظریف - اردو ہماری مادری زبان ہے۔

قلندر - یہ اردو آپ کی مادری زبان نہیں ہے جو اردو اکثر نصیح ال دکن

بوستے ہیں یہ تو دلی اور لکھنؤ کی زبان ہے۔ خاص دکنی زبان اور ہے۔

اُسی زبان میں پہلا شاعر ولی گدرا ہے۔

سیاح - نے نواب سے پوچھا کہ یہ بزرگوار کون ہیں۔

نواب نے کہا کہ آپ جگت نانا کہلاتے ہیں۔ اور بڑی چلبلی
طبیعت کے بزرگ ہیں۔

سیاح - ہمارے وطن میں ایک معمول سیٹھ ہیں اُن سے آپ کی
صورت بہت ملتی ہے۔

ظریف کیا آپ کو سیٹھ ہی کے ساتھ نسبت دینا فرض تھا
ہم تو ہاشمی النسل سپاہی ہیں۔ بنیے بقال ہو گئے کوئی اور۔

سیاح بھی بڑے زندہ دل آدمی تھے۔ اور اُسپر جہان گرد سمجھ گئی
کہ یہ امیرون کے دربار کا کھلونا ہیں۔

نواب نے ظریف الدولہ سے کہا کہ نانا ذرا ہمیں بات چیت
کر لینے دیجیے۔ پھر آپ کا جی چاہے تو تمام رات پڑی ہے۔
مولوی صاحب کے ساتھ چلے جائیے اور جی کھول کر گلنچ کیجیے
ظریف۔ مابدولت کیا کسی کے گھر جاتے ہیں۔ بس یک دگر
محکم گیر۔

سیاح - بات تو ٹھیک کہی نہایت تحسین کے لائق ہے۔

نواب - مان مولانا۔ فرمائیے کہ آپ کو زیادہ کون سے علم کے

حاصل کرنے کا شوق رہا۔

سیاح۔ حدیث اور فقہ۔ اور ادب۔ یہ تو آبائی میراث ہیں۔ باقی اور علوم و فنون کو بھی میں نے شوق سے حاصل کیا ہے۔

نواب۔ کون کون سے علوم آپ نے شوق سے حاصل کیے اور کن فنون میں آپ کو خاص طور پر دستگاہ ہے۔

سیاح۔ دستگاہ تو کسی میں بھی نہیں۔ سب میں ادھورا ہوں۔ مگر علم نجوم۔ زلزل۔ جعفر سے واقف ہوں۔ علم حقائق سے بھی کسی قدر واقفیت ہے۔ تاریخ کی کتابیں بھی صدعا نظر سے گزری ہیں۔

نواب۔ ماشاء اللہ۔ آپ مطلع العلوم مجمع الفنون ہیں۔
سیاح۔ یہ سب آپ کی نوازش ہے۔

نواب۔ آپ اور کون کون سے ممالک میں پھرے ہیں۔
سیاح۔ ہندوستان کے اکثر مقام میں نے دیکھے۔ اور اُس طرح بخارا۔ کابل۔ بلخ۔ چین۔ جاپان۔ ایران۔ ترکستان۔ اور حیدر اہل اسلام کے مقامات مقدس میں اُن سے مشرف ہوا۔
نواب۔ زیادہ کہان رہنے کا اتفاق ہوا۔

سیاح - کابل اور ایران میں زیادہ رہا۔

نواب - کابل کی اب کیا کیفیت ہے۔

سیاح - الودس کلابیدہ - امیرِ حال اپنے باپ کے اُن کاٹنکو
جو نام تمام تھے بمصدق - ع

اگر پُر نتواند پس تمام کند

پورا کرنے کے لیے ہمہ تن مستعد ہیں۔ اور نہایت لائق اور مدبر ہیں

اور کیوں نہ ہو۔ کہ عبدالرحمن خان کا سا پولیٹکل و مانع کا شخص شاؤ

ہی ہوا ہوگا۔ آخر اُنھیں کے فرزند اور اُنھیں کے ترتیب یافتہ ہیں

نواب - سنا جاتا ہے کہ اُس قوم میں جہالت زیادہ ہے۔ اور امیر

کی سخت گیری خفیف تصور پر بھی زیادہ ہوا کرتی ہے۔

سیاح - جی ہاں ایسا ہی ہے۔ اگر وہاں سخت سزا جکو منراے

موت کہنا چاہیے ہوتی تو شاید انتظام بھی نہ ہوتا۔ یہ تو خدا کی

شان ہے جس ملک کے لیے جس قسم کا حاکم ضروری خیال کیا

جاتا ہے ویسا ہی حکمران پیدا کر دیتا ہے۔ اور جس اُمت کے لیے

جس قسم کے نبی کی ضرورت ہوتی ہے ویسا ہی نبی اُس ملک کے

یہ مبعوث فرماتا ہے۔ اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ اگر کا بل
 کے لیے امیر عبدالرحمن خان کی طبیعت کا حکمران ہوتا تو میری
 دانست میں ایک دن بھی اجڑا سے حکومت کی شیرازہ بندی محال
 ہو جاتی حقیقت تو یہ ہے کہ حکمرانی کے لیے ان صفات کی
 ضرورت ہے۔ اول تو عرب و ادب ہو کہ بغیر اسکے کوئی حکمرانی نہیں
 کر سکتا۔ یہ مثل مشہور ہے۔ جسکے دیکھے نہ مرے۔ اُسکے ماری کون
 مرنے (۲) دانشمندی (۳) عدالت (۴) جرات (۵) استقلال
 (۶) جفاکشی (۷) اخلاق۔

یہ سبع صفات تو نہایت ضروری ہیں۔ یہ سب چیزیں امیر
 عبدالرحمن خان میں موجود تھیں۔ البتہ اخلاق کا مادہ ایسا نہ تھا جسکی نسبت
 میں زیادہ رطب اللسان ہوں اخلاق کا مادہ تو یورپ میں ہی جسکی
 تقلید کل قوموں کو کرنا چاہیے۔ اور یہی ایک چیز ہے۔ ع
 کہ پہلے تو انی نہ موے کشی
 کی مصداق ہو سکتی ہے۔

نواب۔ اُنکا ملک کیا زرخیز ہے۔

سیاح - ملک تو کوئی ایسا زرخیز نہیں۔ اکثر بھاڑی ملک ہے۔
 پہاڑوں کی سلسلہ قدرتی کچھ ایسا واقعہ ہوا ہے کہ وہاں زرخیزی کی
 امید کیا ہو سکتی ہے لیکن امیر مرحوم نے کابل کو زرخیز بنا دیا۔
 انکی عقلمندی نے ملک کو دوگنا کر دیا۔ اور کیا عجب ہے
 اگر وہی مرتبہ پالیٹکس کا قانون مرعی ہے۔ اور امیرِ حال نے بھی
 ترقی دی ہے اور توقع کی جا سکتی ہے کہ ضرور ترقی دیگا تو اُس میں
 شبہ ہو نہیں سکتا کہ ملک کی آمدنی وہ چند ہوگی۔ اور یہ دولت بھی
 اس عصر میں معراجِ ترقی پر پہنچ جائیگی۔

نواب - سنا گیا ہے کہ وہاں بدوقین اور توہین وغیرہ بھی
 ڈھالی جاتی ہیں۔

سیاح - جی ہاں۔ بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں امیر
 عبدالرحمن خان نے بڑا کام تو یہی کیا کہ سب سے پہلے صنعت
 و حرفت کی بنیاد ڈالی۔ اور درحقیقت جس ملک میں صنعت و حرفت
 نہ ہو ملک کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ تمدن میں ہر شخص ایک دوسرے
 کا محتاج ہے۔ جب تک وہ اپنے مایحتاج کے پورا کرنے کی

لیاقت نہ رکھتا ہو وہ کسی طرح فارغ نہال نہیں سمجھا جاسکتا۔ پس
 سادہ فطرتیہ سلطنت میں لوگ لائق تجربہ کار۔ ہوشیار نہ جمع ہوں ملک
 ترقی نہیں کر سکتا۔ جس طرح ایک مشن کے لیے مضبوط اور باقاعدہ
 کل پُرزدوں کی ضرورت ہے ویسے ہی ملک اچھے اچھے تجربہ کار
 عہدہ داروں کا سخت محتاج ہے چنانچہ امیر مرحوم نے بلا امتیاز
 قوم و ملت بہت سے لائق عہدہ داروں کو رکھا۔ اسی طرح سنا جاتا
 ہے کہ حیدر آباد میں بھی حضور اقدس و اعلیٰ جو بہت بڑے مدبر
 اور اعلیٰ قابلیت خدا داد رکھتے ہیں اس اصول کے پابند ہیں۔
 نواب۔ آپ نے تو ابھی حضور کے حالات سننے ہی نہیں
 بلا مبالغہ میں کہتا ہوں کہ ہمارے والی دکن نے جو دماغ خدا داد پایا ہے
 ایسا تو بہت کم ہو گا۔ اس سلطنت کے لیے حضرت ہی کی مدبری
 اور دور اندیشی لازمی ہے۔ اور یہ بات ثابت بھی ہو چکی ہے امیر
 صاحب اگر دکن جیسے ملک کی حکومت کر کے اپنے کل ارادوں
 میں کامیاب ہوتے تو البتہ ہم بھی قائل ہوتے۔
 سیاح۔ واقعی حضور کی عالی حوصلگی اور دانشمندی اور تجربہ کاری

کا ہر سوچر چاہے اور میں نے بھی بڑے بڑے مدبر اور دانشمند
یورپیوں کو حضور کا مداح پایا ہے۔

نواب۔ خیر مولانا۔ یہ تو فرمائیے کہ ایران ترکوں کی تقلید کیوں
نہیں کرتا۔

ستیاح۔ ایک نہ ایک روز اسکو بھی ترکوں کا پیرو ہونا پڑے گا۔
مگر بعد از خرابی بسیار وہاں کے لوگ زیادہ مدبر اور تعلیم یافتہ نہیں ہیں
ظریف الدولہ۔ (نواب کی طرف مخاطب ہو کر) کیا آج ہی ساری
سلطنتوں کے نظم و نسق کا امتحان ہے۔ جی اُکتا گیا۔ خالی خالی باتیں
پھینکی نہ رنگینی نہ دلچسپی بس کیجیے۔

ستیاح۔ اے مولانا۔ آپ کس قسم کی رنگینی چاہتے ہیں۔

ظریف۔ ہم تو بس سماع کے دلدادہ ہیں۔ رات دن اسی کا تصور
اسی کی دھن میں گارتی رہے۔ اگر وہ ہو تو جی بھلے۔

ستیاح۔ جب آپ ہر وقت اسی دھن میں رہتے ہیں تو پھر
راگ سننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

ظریف۔ بس منطق ہی چھانٹا کرو۔ ہمیں منطق و نطق نہیں آتی

ہاں ضلع جگت کے فن سے واقف ہیں۔ اس میں اپنا جوہر دکھا سکتے ہیں۔

ستیاح - ماشاء اللہ آپ بھی چھپے رستم ہیں۔ جوہر کا لفظ بھی کیا خوب استعمال ہوا ہے۔ نہایت معقول بات کہی۔

ظریف - (راہنٹھ کر) اجی جناب ہم اس فن کے اُستاد ہیں۔ یہ امر بدیہی عیان ہے۔ کہ مابدولت کے مقابل میں اچھے اچھے اُستادوں نے جتین کین مگر ہم نے سب کے قاعدے کو توڑ دیا

اور یہ بات کچھ چھپی ہوئی نہیں ہے خاص و عام میں مشہور ہے۔

ستیاح - بیشک آپ کی شکل و صورت بھی کہتی ہے۔

قلندر - (ظریف سے) ارے میان یہ دیکھو کہ تمہارے سوال کا جواب بھی مولوی صاحب استماراع اور ضلع جگت میں ہے ہے ہیں۔

ظریف - ہاں اس قدر گفتگو میں ایک جگہ معقول - کا لفظ برتا۔ اور دوسری جگہ شکل و صورت مگر نتیجہ کیا اس سے مابدولت نے تو سلسلہ باندھ دیا۔

ستیاح - (مزاح سے) بندہ آپ کے سامنے مٹھائی رکھنا چاہتا ہے۔
 ظریف - (موچھوں پر تاؤ دیکر اور نواب کی طرف دیکھ کر) کیوں اب
 بھی مانو گے یا نہیں۔ کہ مابدولت کا لوہا سب مانتے ہیں۔ زمانہ جانتا
 ہے کہ ہم کیسے ہیں۔

نواب - (تبسم کرتے ہوئے) کیا کہنا آپ کے قول و فعل کا کسے اعتبار
 نہیں۔ واللہ جو نہ مانے وہ برعکس ہے آپ صاحب حکمت
 ہیں۔

ظریف - مان ہے تو ایسا ہی۔

نواب - نانا تھوڑی دیر کے لیے اور ذرا مہربانی فرمائیے۔ کچھ
 بات چیت کر لوں۔

ظریف - بھئی ہم کو جانے دو۔ پھر چاہے شام تک باتیں کرتے رہو۔
 ستیاح - آپ سے تو محفل کی رونق ہے۔ نواب چاہیں فضا
 دین مگر بندہ تو آپ کا شیدائی ہے۔ ممکن کیا ہے کہ آپ اپنی مجلس
 سے چھوٹ کر جائیں ورنہ پھر قضیہ بالعکس ہو جائے گا۔

ظریف - مان اس سلسلے میں بھی تم نے کہیں کہیں ضلع جگت

کو نباہا ہے مگر بے موقع۔ ابھی کچھ دن سیکھنا چاہیے۔ شیرینی اور نذر رکھو گے تو اُسکے بعد شاگرد بنائیں گے۔ اور پھر وہ گرتائیں گے جو کسی نے نہ سنے ہوں۔

سیاح نے نواب سے انگریزی میں کہا کہ اس بڑھے کو اور خوش کرتا ہوں۔ ایک روپیہ کی شیرینی منگو ادیکھیے۔
نواب۔ آج تو نہیں پھر کسی روز آپ ان کو دام میں لے لیگا۔

نواب۔ (سیاح سے) مولانا جعفر کیا نجوم سے بھی زیادہ ہے۔
سیاح۔ نجوم ایک جزو ہے جفر کا۔ تناسبات منازل جو حر و متحرک کے لیے قرار دیے گئے ہیں البتہ نجوم میں زیادہ تر معتبر ہیں اس لیے کہ تناسب حروف منازل فلک کے ساتھ وضع قدیم ہے چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَدْ رَكَّٰهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا اَعْدَادَ النَّجْمِ وَالْحِسَابِ۔

نواب۔ کیا واقعی یہ علم انبیاء علیہا الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔
سیاح۔ کیا شک ہے وَعَلَّمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ ابْنُوْنِیْ بِاَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ۔

۱۰۔
۱۱۔
۱۲۔
۱۳۔
۱۴۔
۱۵۔
۱۶۔
۱۷۔
۱۸۔
۱۹۔
۲۰۔
۲۱۔
۲۲۔
۲۳۔
۲۴۔
۲۵۔
۲۶۔
۲۷۔
۲۸۔
۲۹۔
۳۰۔
۳۱۔
۳۲۔
۳۳۔
۳۴۔
۳۵۔
۳۶۔
۳۷۔
۳۸۔
۳۹۔
۴۰۔
۴۱۔
۴۲۔
۴۳۔
۴۴۔
۴۵۔
۴۶۔
۴۷۔
۴۸۔
۴۹۔
۵۰۔
۵۱۔
۵۲۔
۵۳۔
۵۴۔
۵۵۔
۵۶۔
۵۷۔
۵۸۔
۵۹۔
۶۰۔
۶۱۔
۶۲۔
۶۳۔
۶۴۔
۶۵۔
۶۶۔
۶۷۔
۶۸۔
۶۹۔
۷۰۔
۷۱۔
۷۲۔
۷۳۔
۷۴۔
۷۵۔
۷۶۔
۷۷۔
۷۸۔
۷۹۔
۸۰۔
۸۱۔
۸۲۔
۸۳۔
۸۴۔
۸۵۔
۸۶۔
۸۷۔
۸۸۔
۸۹۔
۹۰۔
۹۱۔
۹۲۔
۹۳۔
۹۴۔
۹۵۔
۹۶۔
۹۷۔
۹۸۔
۹۹۔
۱۰۰۔

جناب حضرت احدیت جل شانہ نے جب آدم سے سر کو خلافت
 کے تاج سے زینت بخشی تو جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ آدم سے کہے کہ فرزند بہت
 بہن اور بہرگروہ کی زبان علم پر ہے۔ اور آدم علیہ السلام اس سے راز
 نہیں اس لیے تم جاؤ اور اس علم کے ذائقے سے اُن کو واقف کرو۔ اس وقت
 جبریل آنے اور انھوں نے یہ علم لکھو سکھایا جس سے لغات مختلفہ اور
 غوامض علوم عجیبہ متخرج ہوئے تھے اور اسی بات کی تائید خبر دیتی ہے
 چنانچہ یہی قول ہے کہ آدم علیہ السلام سے شیث اور اُن سے اور اُن
 کو تعلیم ہوئی انھوں نے اپنے فرزندوں کو تعلیم دی۔
 نواب۔ آپ کے اس علم میں کتنے شاگرد ہیں۔
 ستیاچ۔ دو چار ہی ہونگے۔ اس لیے کہ یہ علم شریف اسرار الہی سے
 ایک سر ہے البتہ اس حیدر آباد میں ایک شخص کو میں نے
 اس علم کا استاد پایا مولوی سید خلیل بہاتی جو مدار المہام حاصل
 اور ظفر جنگ مرحوم کے استاد تھے۔ مولوی مرحوم سے پتا
 تھا کہ مدار المہام حال نے چند سبق اس علم میں مولانا سے حاصل
 کیے ہیں اور ظفر جامع جو کتاب ہے۔ وہ ظفر جنگ مرحوم

کے یہاں اب تک ہے ۔

نواب - ماشا اللہ آپ بھی منتخب روزگار ہیں مگر یہ تو فرمائیے کہ ریل کو کتنا علم ہے ۔

سیاح - ریل بہت سہل ہے اس میں کل ٹولہ خانے ہیں اور ان کے ٹولہ اشکال ہیں مگر ان اشکال کی ترکیب سب سے زیادہ کے لحاظ سے ہے اور تقسیم بھی سب سے زیادہ کے لحاظ سے ہے یعنی ہر ستارہ کی دو شکلیں ہیں ۔ اور وہ دو شکلیں ہر ایک خانے سے منسوب ہیں ۔ اب رہے راس اور ذنب یہ دونوں ملکر ایک ستارہ سمجھا جاتا ہے ۔ اس کی دو شکلیں ہیں اور وہ دو شکلیں زائد سمجھی جاتی ہیں ۔ مگر ٹولہ خالوں کی تقسیم کے لیے یہ دو بھی احکام کی غرض سے شریک کیے گئے ہیں ۔ اس طرح سے ٹولہ شکلیں پوری ہو جاتی ہیں اب ان ٹولہ خالوں کے اوتاو ۔ مائل اوتاو ۔ ذائل اوتاو و تداو تدار قرار دیے گئے ہیں ۔

مثلاً ۱ - ۵ - ۹ - ۱۳ ۔

یہ خانے و تداو ہیں ۔

۲-۶-۱۰-۱۴۔ یہ خانے مائل و تد سمجھے جاتے ہیں۔

۳-۷-۱۱-۱۵۔ یہ زایل و تدلے گئے ہیں۔

اور ۴-۸-۱۲-۱۶۔ یہ وقدالو تد ہیں۔

ایسے ہی عناصر کے خیال سے۔ اول کے چار خانے آتشی ہیں
دوسرے چار خانے بادی۔ تیسرے چار خانے آبی۔ اور چوتھے
چار خانے خاکی۔

ان خانوں میں اشکال جو بلحاظ عناصر کے تقسیم کیے گئے
ہیں۔ یعنی اسولہ اشکال چار عناصر پر تقسیم ہو گئے ہیں۔ اس حساب
سے چار چار شکلیں ایک ایک عنصر سے منسوب ہیں اگر اشکال
بلحاظ عناصر کے اپنے خانوں میں آئیں۔ اور سعد ہوں۔ اور نظر
ترجیع نہ ہو۔ اور کسی خاص شکل سے اتصال نہ ہو تو وہ حکم قوی ہوتا ہے
اور اگر اسکے خلاف ہو تو حکم بھی کمزور ہوگا۔ یوں تو اس فن
میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن ایک کتاب مختصر جس کا
نام رسم خراب است نہایت جامع اور مفید ہے۔ ہر چہ بقامت کثیر
بقیمت بہتر کا ثبوت بھی دیتی ہے۔

مدار المہام سر ایک وقت ملات ہوئی تھی اس فن سے بھی وہ واقف
 بین نجوم کے نکات سے آگاہ ہیں اور علم عقایق سے نہایت دلچسپی
 ہی نہیں رکھتے بلکہ عملاً اُس کے مدارج پورا کرنا چاہتے ہیں۔
 لیکن یہ کہتے تھے کہ اُن کے پیر و مرشد حضرت چندا شاہ
 کی وفات کے بعد کوئی شیخ ایسا نہ ملا کہ اُن کو سبقوں کی تسلیم
 اچھی طرح سے دے سکتا۔ بلکہ وہ یہ کہتے تھے کہ جو سبق
 اذکار و اشغال کے اُنکو اُن کے مرشد سے حاصل ہوے
 وہ بھی بہت کم دوسرے جانتے ہیں۔

قلندر۔ ترک علی شاہ ترکی کی زبانی معلوم ہوا کہ ان دنوں انگریزی
 کی تحصیل کا زیادہ شوق ہے اکثر انگریزی تالیف اور فلاسفہ کی
 کتابوں کا مطالعہ رہا کرتا ہے۔

اتنے میں بارہ کی توپ دعنی دَن دَن دَن۔

نواب۔ باتوں باتوں میں بارہ بج گئے۔ آپ کو بہت تکلیف ہوئی
 اگر مضائقہ نہ ہو تو ناب جوین حاضر ہے۔

ظریف۔ جی نہیں۔ ابھی کا ہیکو خفت کرتے ہیں۔ گھر کے قبیلو

مولوی صاحب کے حوالے کر دیجیے

نواب - کیون مانا خفا ہو گئے -

ظریف - خفا نہیں تو کیا خوش ہوں - کہ یہاں انیون کا وقت ہو گیا

نشہ سنت رہو - (جہاں لیکر) بھیکو - علاوہ اسکے پیٹ میں چوہے

وڑ رہے ہیں - الجوع الجوع کی صدا آرہی ہے -

ستیاح - واقعی آپ کو تکلیف ضرور ہوئی ہوگی جب آپ کے پیٹ

میں چوہے وڑ رہے ہیں تو یلی کے کباب کھائیے جو ہوں کا شکا

ہو جائیے گا -

ظریف - لاجول ولا قوۃ - یہ کہان کے مولوی بن خراجا نے

کس نے انکو مولوی بنایا - سرام چیز کھانے کے لیے کہتے ہیں

اسی بات تو زبان پر بھی نہ لائیے -

اتنے میں خاسمان نے حاضر ہو کر کہا کہ خاصہ تیار ہے سب

کے سب کھانے کے لیے روانہ ہوئے - کھانے سے

فارغ ہو کر جب باہر برآمد ہوئے تو نواب دیشان نے کہا کہ مولانا

آپ کی بڑی مہربانی ہوگی کہ کسی روز آپ قوم کے متعلق ایک پراثر

لکچر دین۔

سیاح - مجھ میں اس قدر مواد سوا دہنیں۔ البتہ صرف آپ کی فرمائش کی تکمیل سے مجبور ہی ہے۔

نواب نے منشی کو بلا کر حکم دیا کہ پنجشنبہ کے روز کے لیے اشتہار طبع کرا کے شائع کراؤ۔ اور احباب کی خدمت میں رقعے تقسیم کر دیے جائیں۔

سیاح نواب سے رخصت ہو کر اپنے مکان کو سدھارے۔

ظریف الدولہ کی مٹ گشت

ایک روز ہمارے نواب ذیشان سہ پھر کے وقت اپنے دیوانخانہ میں برآمد تھے دیکھتے کیا ہیں کہ ظریف الدولہ بہادر بڑبڑاتے ہوئے تشریف لارہے ہیں۔

ظریف - کبختوں نے ناک میں دم کر دیا۔ خدا ایسے پا جیون سے پہلے۔

نواب - کیوں نا ناخیریت ہے یہ کہہ نہ سکتی ہے۔ معاملہ کیا ہے
جوانے درہم دبرہم ہو۔

ظریف - ٹھہرو میان ذرا دم لون تو پھر اپنا ڈکٹر اسٹاؤن۔
نواب - ستائے۔ واقعی آپ باپ سے ہیں۔

ظریف - ہانپنے کی ایک ہی کہی۔ اجی بس کیا کہوں میرے ہاتھ
سے بچ گیا ظالم ہند تو اسکی کشتی کنارے لگا دیتا۔ سید ہاوسل جہنم
نواب - آخر فرمائیے بھی تو کہہ ہوا کیا۔

ظریف - اجی میان کیا پوچھتے ہو ٹھیک دو بجے۔ بڑھانے
مجھ سے کہا کہ نواب کے گھر تو اللہ رکھے میان نصیر کی شادی کی
تیار ہی شروع ہو گئی۔ مجھے بانجھایا نا ہے جاؤ اور کچھ کپڑا دکان سے
لے آؤ۔ مین بھی فوراً درکار خیر حاجت بیچ استخارہ نیست۔ کمر کس کے
تیار ہو گیا۔ ناسٹہ کیا تھا اسلیے کھٹسو کے ہاتھ کچھ کھچے اور نہاری
نتھوں سیٹھ کی دکان پر بھجے کر لیے تاکید کر کے روانہ ہوا۔ جب
راستے مین پہنچا تو جا ہی آئی۔ معلوم ہوا کہ افیون نہیں کھائی۔ بس
اس خیال کے ساتھ ہی۔ ہاتھ پاٹون ٹوٹنے لگے ایک قدم چلنا

دو بھر ہو گیا۔ اب راستہ چلون تو کس کے پاؤں سے۔

نواب۔ گھر کو کیوں نہیں واپس آ گئے۔

ظریف۔ اچھی میان ابھی تک بہورے کی سرائے میں پڑا ہوں

قریب چوک کے یعنی بشیر الدولہ کے مکان تک پہنچا تھا اب وہاں سے

واپس ہونا گویا رجعتِ قہقری تھی۔ راستے میں گر جانے کی نوبت آ گئی

اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ شیخِ ننھے علی غول کا جوان ہمارا پرانا

اشنا جا رہا ہے۔ میں نے ٹوک کر پوچھا کہ میان کدھر۔

شیخِ ننھے نے کہا کہ میان دم اڑانے جاتا ہوں۔ یہی وقت ہے

میں نے کہا خالم اگر تھوڑی افیون سے تو نکال دے اسے کٹھا

ساجو اب دیا۔ بس جب تو میں نے مناسب خیال کیا کہ میں بھی

اُسکے ساتھ جا کر دم اڑا کر آؤں۔ قصہ مختصر اس کے کانڈھے کا سہارا

لیے ہوئے دیکھ خانی میں پہنچا دیکھا تو وہاں ایک کالا مسٹنڈا

نمبا گیا کا پنڈا چار زانو بیٹھا دم اڑا رہا ہے۔ اے صل وصل میں

تو دیکھتے ہی دہکتے رہ گیا۔

اُس نے کچھ ایسی بھونڈی ڈراؤنی آواز سے کہا کہ اُو میان

صاحب ایک قش آپ بھی لیجیے ہم مفت دیتے ہیں۔

مین بھلا ایسے مداری کے دم مین کیون آنے لگا۔ اور اُسکی حقہ باز یون سے چکما کس طرح کھاتا۔ مین فوراً سوال کر بیٹھا کہ حضرت یہ قش کیا معنی اُس بے ایمان گاد دی نے کہا کہ قشیدن سے قش لیا گیا ہے۔ آپ تو بڑے گرامر آدمی ہیں مین نے کہا کہ تمہارا گھڑا کہاں ہے کہا کہ مہنال دروازے کے قریب۔

جب تو مین جھنجھلا گیا۔ آج تک میدرا باد مین مہنال دروازہ کبھی عمر بھر نہیں سنا تھا۔

سمجھ گیا کہ یہ تسخر کرتا ہے میان اب تاب کہاں کہ ایک پاچی مجھ جیسے شریف سے اس قدر گستاخی سے پیش آئے۔ فوراً ایک چمپت رسید کر دی۔ کیا کہوں میان سر کیا تھا کہ جنت کا ایک چھلا چھلا یا ناریل یا یکھو کہ مٹھور کا سر پوش میری انگلیوں مین درد ہونی لگا مگر اُس بے حیا کو خبر بھی نہ ہوئی۔ انا نا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

جہاں کے ایک اور دھپ رسید کی تب بھی انا نا کہیا مزہ آیا کہ یہ خاموش۔

شیخ ننھے نے کہا میان سو جوتیان بھی اسکو لگاؤ گے تو بیچیا

کی۔ بلا دور وہ نش سے مش بھی نہ ہوگا۔ روز سیکڑوں دھوئین کھاتا ہے اور اسی سے اسکا سر مضبوط ہو گیا ہے۔ بس حب تو میں نے خیال کیا کہ ایسے رزیل کے ساتھ کسی شریف کا بھڑ جانا اچھا نہیں راوی۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنا استاد آپکی شرافت کے قربان بہت ہی اچھے موقع پر آپ کو اپنی شرافت یاد آئی۔ شریف ایسی ہی جگہ تو جایا کرتے ہیں

نواب۔ نانا یہ تو بے موقع بات ہوئی۔ آپ کا دمان جانا ہی اچھا نہ تھا فرض کرو کہ اگر وہ چپٹ جاتا تو پھر کیا ہوتا۔

طریف۔ امی میان۔ خنجر اسکی تو ندین گھسیڑ دیتا۔

نواب۔ خیر گراب سے ایسی جگہ آپکا جانا ہی ٹھیک نہیں۔

طریف۔ بخدا میں کیوں جانے لگا۔ مزادہ پاچی شیخ ننھے لگیا۔

اور سچ تو یہ ہے کہ افیون کی خاطر گیا۔ ورنہ کیوں جاتا۔ بھر حال دوچار

دم اڑائے۔ جب جان میں جان آئی دمان سے واپس ہو کر جب

دکان پر پہنچا تو گھٹسوں نے میرا انتظار کیا اور جب دیکھا کہ بائج

بج گئے ظالم جو کچھ لایا تھا سب کھا گیا اور دکان پر کہہ گیا کہ میان سے

کہہ دینا کہ آپ کا انتظار کیا چونکہ پانچ بج چکے تھے اور آپ کے کھانے کا وقت ٹل گیا تھا۔ اس لیے میں مناسب سمجھا کہ کھانا کھا کر گھر جاؤں۔ آپ نے ضرور کہیں نہ کہیں اپنا شکم پُر کر لیا ہوگا۔ اتنی دیر بھوکے رہنے کی آپ کو عادت بھی نہیں ہے۔

بس جب دکان پر میں نے یہ کیفیت سنی دم نکلنے ہی کو تھا۔ سیٹھ بھائی مکان پر نہ تھا گماشتے سارے گاؤ دی اُن کی زبان سے میں واقف نہیں اور نہ اُن سے کھانا مانگنا آدمیت تھی۔ بس وہاں سے جھٹکا کر کے بویان پویان یہاں چلا آیا۔ اب اگر کچھ کھلو او تو جان میں جان آئے۔

نواب۔ نانا۔ پھر وہ سودا آپ نے خریدا کہ نہیں۔ بیوی چھینکی تو کیا جواب دو گے۔

ظریف۔ ارے سپان کل خرید لینگے اور جب تک گھر جانے کا بھی نہیں ورنہ واقعی وہ چپٹ ہی جائیگی۔ بلاے بے دربان ہے نواب نے خاں سامان کو بلا کر کہا کہ جلد کھانا اندر محل سے منگا کر دسترخوان پر من دو۔ اور ظریف الدولہ کو لیجا کر کھانا کھاؤ۔

خانساں نے ماما خیر کو بلا کر کہا۔

ماما خیر و نواب کر محل میں باورچی خانی پر ملازم ہے اُس نے
ہنایت سلیقہ سے کھانا لاکر دسترخوان پر چن دیا۔ خانساں نے
ظریف الدولہ بہادر کو اطلاع دی کہ خاصہ تیار ہے۔
ظریف الدولہ۔ نواب کو صدمہ دعائیں دیکر کھانے کے لیے
جواب کے والان میں جا کر وٹ گئے۔

خیر و۔ (ظریف الدولہ سے) اجی بڑے میان خیریت سے۔
اس وقت یہ بیوقت تمہارے پیٹ میں کیوں چوسے چھوٹے۔
کیا بیگم نے کچھ خبر لی۔

ظریف۔ ہون۔ خبر لینے کی ایک ہی کمی۔ وہ اور میری خبر لے۔ میں
نہ اسکی خبر لون۔

خیر و۔ سبحان اللہ یہی تو صورت ہے ناکہ آپ بیگم کی خبر لین۔
ظریف۔ اری واہری خیر و۔ اب تو آگئی رنگ میں۔ ہم سی
ہی دون کر نیگی اور ہم پر ہی منہ آنے لگی۔
خیر و۔ اجی تم ہو کون سے کھیت کی مولیٰ یہ تو کہو۔

ظریف - پھر وہی باتیں کرتی ہے۔ اے کاش تو میری بیگم
ہوتی پھر تجکو مزہ بتاتا۔

خیر و - ایک قہقہہ لگا کر تمہاری بیگم ہونے چلی تھی میری جوتی
بس خبردار چونچ سنبھال کر گفتگو کرو۔

ظریف - ذرا دم تو لے۔ شکم پُر ہونے دے۔ پھر دال کیسی
کھاتا ہوں۔

خیر و - کُواب تو میان جی اور بڑھ گئے۔ چپاتی سا تو پیٹ ہے۔
گھرین دال روٹی بھی میسر نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں اگر چرب زبانی کی
سوجھی۔

ظریف - وا اللہ اسوقت چرب زبانی کا لفظ تیرے منہ سے
کیا نکلا دل پھول کے نچلکا ہو گیا۔ کیون کیا صنلج جگت کہا ہے
راوی - سبحان اللہ۔ داد بھی آپ نے کس سے چاہی۔ ماما
خیر و باورچن سے۔ بیشک وہ آپکے صنلج جگت کو ضرور سمجھی ہوگی
خیر و - یہ جلا جگت (صنلج جگت) کیا بات ہے۔

ظریف - اُغٹھ آنا بھی نہ سمجھی۔ خیر اسب ہم کو کھانے دے۔ پھر تجھے

سمجھائینگے۔ یہ کہہ کر دسترخوان پر ڈٹ گئے۔ اتنے میں نواب بھی وہاں تشریف لے آئے۔

نواب - کیوں میان ظریف اللہ بہادر خاصہ تناول نہ کرنا شروع کر دیا۔

ظریف - الحمد للہ آپ کا خوانِ کرم ہمیشہ یوں ہی فیض بخش رہے اور بندگانِ خدا اس چشمہ فیض سے سیراب ہوتے ہیں۔ میان کھچڑی کیا خوب پکی ہے۔

نواب - جب سے باتیں کیا ہو رہی تھیں۔

ظریف - یہ ماما خیردو جو ہماری دوسری بیوی ہے۔ اس سے تین ہو رہی تھیں۔

خیرو - (ادب سے نواب کی طرف دیکھ کر) دیکھو سرکار یہ بوڑھا ہر وقت مذاق کرتا ہے۔ آپ جتلا دیجیے ورنہ باندی ایک روز برمی طور سے پیش آئے گی۔

نواب - (تبسم فرما کر) اری۔ نانا مذاق کرتے ہیں۔ اس میں کیا قباحت ہے۔

ظریف - کیسی بھیگی بلی بن گئی۔ جیسے کچھ جانتی نہیں۔ یہہ
 نہیں کہتی کہ نواب کو دیکھ کر پلیٹھن نکل گیا۔ جب سے کلہ بکڑ لڑ
 رہی تھی۔

نواب - نانا آپ تو نسل جگت اور استعارے کے سوا
 کوئی بات ہی نہیں کرتے۔

پیر مرد - میان یہ ہماری شجاعت پر دال ہے۔

راوی - واہ شجاعت پر دال ہونیکلی ایک ہی کہی کیا خوب۔

شجاعت کا موقع بھی یہی تھا۔ ذرا بازو دیکھیے تو ہم بھی مل دین۔

نواب - کل مکان میں جائیے گا تو بیوی سے کیا کہیے گا۔

ظریف - میان وہی سوچ رہا ہوں کہ بات بناؤں تو آخر کیا

بناؤں ملا دو پیازد تو ہوں نہیں کہ لطیفے بازی شروع کر دوں دال

چپاتی ضرور ہو جائے گی۔ مگر یاد رکھنا کہ بندہ بھی زمانے کے پاٹھ

بیلے ہوئے ہے رواروی میں وہ دم پخت باتیں کروں گا کہ بہر

حال بڑھیا میرے دم میں آجائے گی۔ معاملے کی پخت و پز

کرنے ہی نہ ڈونگا مگر گھبراہٹ سے اس وقت دل کو فتنہ ہو رہا تھا

وہ عورت بھی بڑی جیالی ہے اور بہادر بھی ہے۔ مابدولت ہی کا
دل گردہ ہے کہ اُسکے ساتھ نبھے اور نہا۔

نواب۔ کیا نانی کچھ پڑھی لکھی بھی ہیں۔

ظریف۔ ہاں میان۔ خدارکھے۔ کرپا۔ مامقیا۔ پڑھی ہے۔ مگر
طبیعت اُسکی بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ لیکن (خیر کی طرف اشارہ کر کے) اس
دو گوشتہ بریانی سے کم۔

خیر و۔ بس اب زیادہ میرے منہ نہ لگیے۔ سرکار کے خوت سچپ
ہوں۔ ورنہ مزہ چکھا دیتی۔

ظریف۔ خیر۔ کہاں جاتی ہے۔ جو جی چاہے کہہ لے۔ تیری تنہا
پوری کرنے والا میں ہوں۔ اگرچہ اس وقت تیری گستاخی سُنل
کباب ہو رہا ہے مگر امتداد اک ہے تیرے پسند سے ہی بنا کر
نہ چاہا جاؤں تو میان ظریف الدولہ بہادر نہ کہتا۔

خیر و۔ اے سبحان اللہ۔ بہادر بھی ہو گئے۔ مسورت دیکھو حلو کی۔
پیٹ خاصہ چپاتی ہے۔

نواب۔ خیر و سے ذرا زبان سنبھال کر۔

خیرو - دیکھو سرکار - جو منہ میں آتا ہے بلا تکلف کہہ دیتے ہیں۔ بڑے آدمی ہیں تو اپنے گھر کے باندی تو آپ کی نمک پروردہ ان سے کیا دیکر رہے گی۔

اتنے میں ظریف الدولہ بہادر کھانے سے فارغ ہوئے۔
خاندان نے ہاتھ دھلائے۔ خیرو نے گلوریان لادین ظریف
نے گلوریان لیکر کہا کہ خیرو اگر میرا جھوٹا نہ کھائے تو میرا لہو پیے۔
خیرو - واہ واہ - سمجھے کیا ہیں آپ۔

ظریف - جو کچھ بھی سمجھا ہوں۔ ع

دل من داند من داند دل من
خیرو - اچھا یاد رکھو نانا۔ یہ کہتی ہوئی محل میں چلی گئی۔
نواب نے خاندان سے کہہ دیا کہ نانا آج یہیں رہیں گے۔
ان کے لیے بستر وغیرہ کا انتظام کر دیا اور ظریف الدولہ بہادر
کو خدا حافظ کہہ کر محل میں سدا سے شب بخیر

حصہ اول تمام ہوا

